# کاروانِ عشق

## سانحہ ٹھیڑی، ضلع خیرپور (سندھ) پاکستان

روزِ عاشور 3 جون 1963ء کو تحفظ عزاداری میں شہادت
پانے والے 150 عزاداروں کی شہادت کے چشم دید واقعات


تحریر و تحقیق

**سیّد احمد رضا زیدی**



ناشر

**ادارۂ گنج شہیداں (رجسٹرڈ) لقمان خیرپور**

پہلا ایڈیشن 2015 دوسرا ایڈیشن 2017

تیسرا ایڈیشن اکتوبر 2024





| | | |
|---|---|---|
| نام کتاب | : | **کاروانِ عشق** (مع اضافہ جات)<br>(سانحہ ٹھیڑی، ضلع خیرپور، سندھ، پاکستان) |
| کمپیوٹرائزڈ کمپوزنگ | : | راحت حُسین۔احمد گرافکس 021-36805931 |
| ناشر | : | ادارۂ گنج شہیداں (رجسٹرڈ) لقمان خیرپور |
| تعدادِ اشاعت | : | 1000 |
| قیمت | : | 300/- |

ملنے کا پتہ

**احمد بک سیلرز**

R-651، بلاک 20، فیڈرل بی ایریا، کراچی

فون: 021-36805931--36364924

Email: sh.jafri786@gmail.com

## شہدائے ٹھیڑی کو خراج عقیدت

قطعہ

کاٹے گئے ہیں جب کبھی سادات کے گلے
تاریخ کہہ رہی ہے مسلماں کے ہاتھ سے
ہم نے پیا ہے جامِ شہادت جہاں کہیں
یہ ناز ہے کہ حافظِ قرآں کے ہاتھ سے

(قمر میرٹھی محلہ لقمان خیر پور

## انتساب

**شہدائے کربلا اور اسیرانِ کربلا**
**کے نام**
**جن کی عظیم قربانیوں نے**
**جرأت، ہمت اور شجاعت**
**عطا کرتے ہوئے دین کے دفاع کے لیے**
**قربانیاں دینے کی ہمت اور حوصلہ عطا کیا۔**

# فہرست

# عرض ناشر

جب ہم تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ قتل و غارت گری اور ظلم و بربریت کا آغاز نسل جناب آدمؑ کے وقت سے ہی اُس وقت شروع ہو گیا تھا کہ جب قابیل نے حضرت ہابیل کو قتل کر دیا تھا۔

اس کے بعد سے آج تک تاریخ کے بیشتر صفحات قتل و غارت گری اور مظلوموں کے لہو سے رنگین ہیں۔

لیکن یہ مظلوموں کے لہو کا اثر ہے کہ وہ آستین قاتل پر ثبت ہو کر قیامت تک کے لئے اُس کو رُسوا کرتا رہتا ہے۔

مظلوموں کے مقدس لہو کی طاقت کا ہمیں اُس وقت اندازہ ہوا کہ جب شب ۱۹ رمضان المبارک مسجد کوفہ میں لعین ابن ملجم کی تلوار کا زخم کھانے کے بعد لہو میں تر سرِ اقدس مولائے کائنات سجدۂ خالق سے اُٹھا تو فاتح بدر و حنین اور خندق و خیبر فرما رہے تھے آج علیؑ کامیاب ہو گیا۔

اور پھر میدان کربلا مظلوموں کی فتح کی وہ معراج بن گیا کہ جہاں قیامت تک کے لئے مظلوموں کا مقدس لہو ظالموں اور قاتلوں کی تلواروں پر غالب آ گیا۔

اور اب ٹھیٹڑ ی میں روز عاشور ۳ جون ۱۹۶۳ء کو پیروی شہدائے کربلا میں بہنے والے لہو کا ہی اثر ہے کہ پہلے دن سے ہی زمین کا یہ ٹکڑا شہداء کے مقدس لاشوں کی تدفین کے بعد گنج شہیداں کے نام سے موسوم ہو کر گلستان کی صورت میں اُبھرا اور ہر آنے والا دن گنج شہیداں کی تعمیر و ترقی کے حوالے سے ایک سنگ میل ثابت ہو رہا ہے۔

یہ ان شہداء کے لہو کا ہی اثر ہے کہ جناب سیّد احمد رضا زیدی نے جو کہ اس سانحے کے عینی شاہد ہیں اپنی یادداشتوں کو ۲۰۱۵ء میں سُپرد قلم کر کے کتابی شکل دے کر تاریخ



کے سانچے میں ڈھال کر جہاں ایک جانب اس عظیم سانحے کو تاریخ کے صفحات پر رقم کر دیا وہیں موجودہ نسل اور آنے والی نسلوں کو پیروکارانِ شہدائے کربلا کے عزم و ہمت اور شجاعت سے آشنا کرانے کا بندوبست کیا۔

اس عظیم سانحے کے حوالے سے جناب سیّد احمد رضا زیدی کی کتاب ''کاروان عشق'' نے اس قدر شہرت پائی کہ ۲۰۱۷ء میں مذکورہ کتاب کا دوسرا ایڈیشن شائع کیا گیا۔

اس کتاب کی اشاعت کے بعد اندرون مُلک اور بیرون ملک پذیرائی اور شہدا سے متعلق آگاہی کے سبب ادارہ گنج شہیداں مزید اضافہ جات کے ساتھ اس کتاب کا تیسرا ایڈیشن شائع کر رہا ہے تاکہ مومنین اپنے شہدا سے مزید آگاہی حاصل کر سکیں۔

یہاں میں اس بات کا تذکرہ کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ یہ بھی ان شہدا کے لہو کا اثر ہے کہ ۲۰۲۲ء میں جناب غنی حیدر زیدی نے سانحہ حبیب آباد (ٹھیٹڑی) کے عنوان سے سانحہ ٹھیٹڑی پر کتاب لکھ کر اس سانحے کو اُجاگر کیا اور اب مئی ۲۰۲۴ء میں سانحہ ٹھیڑی کے عنوان پر محترم مولانا سید شہنشاہ حسین نقوی کی کتاب منظر عام پر آئی ہے۔

میں آخر میں ادارے کے اپنے تمام ساتھیوں اور اُن تمام حضرات کا جو کسی بھی حوالے سے گنج شہیداں کی تعمیر و ترقی میں معاون ثابت ہوتے ہیں شکریہ ادا کرتا ہوں۔

پروردگار عالم ہم سب کی کاوشوں کو قبول فرمائے۔

سیّد اکبر عباس زیدی
سرپرست اعلیٰ
ادارہ گنج شہیداں (رجسٹرڈ) لقمان، خیرپور

# پیش لفظ

1963 میں ضلع خیر پور کے قصبے ٹھیڑی میں وقوع پذیر ہونے والے سانحے کو ضبطِ تحریر میں لانے کا عمل 2005ء میں اس وقت شروع ہوا کہ جب شہید فاونڈیشن نے راقم الحروف سے اس خواہش کا اظہار کیا کہ اس واقعے کے عینی شاہد کی حیثیت سے میں اس سانحے کی خاص خاص باتوں کو تحریر کروں جن کو بعد ازاں شہید فاونڈیشن پاکستان نے 6 صفحات پر مشتمل ایک فولڈنگ پمفلٹ کی شکل میں شائع کیا۔ اس پمفلٹ کی اشاعت کے بعد عوام الناس میں اس سانحے کی معلومات میں دلچسپی کو مدنظر رکھتے ہوئے۔ 2005 میں ہی شہید فاونڈیشن نے میری آواز میں منتخب فوٹوز کے ساتھ اس سانحے کی مزید تفصیلات کے ساتھ ایک C.D کا اجرا کیا جس سے اندرون ملک کے علاوہ بیرون ملک شیعہ قوم کے افراد بھی مستفیض ہوئے۔

2015 میں علامہ جاوید جعفری مرحوم امریکہ سے کراچی تشریف لائے ہوئے تھے ایک ملاقات میں میں نے ان کو سانحہ ٹھیڑی کے کچھ واقعات سنائے یہ واقعات سننے کے بعد بلاتحمل علامہ جاوید جعفری صاحب نے کہا کہ آپ کیونکہ اس سانحے کے عینی شاہد ہیں اور مستند حوالوں کے ساتھ اتنی جامع معلومات بھی رکھتے ہیں اس لئے آپ اس سانحے کو کتابی شکل میں شائع کریں تا کہ یہ واقعہ تاریخ کی دنیا میں کتابی شکل میں محفوظ ہو جائے تا کہ موجودہ نسل اور آنے والی نسلیں اپنے شہدا کی درخشاں شہادتوں سے واقف ہو سکیں۔

علامہ صاحب کے اس دوربین مشورے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے میں نے ''کاروانِ عشق'' کے نام سے سانحہ ٹھیڑی کے واقعات پر مشتمل ''احمد بک سینٹر'' کے



تعاون سے یہ کتاب تحریر کی جس کا دوسرا ایڈیشن 2017 میں اور تیسرا ایڈیشن اب شائع کیا جا رہا ہے۔

مذکورہ کتاب کے دوسرے ایڈیشن میں 2 واقعات کا اضافہ کیا گیا تھا جب کہ اس تیسرے ایڈیشن میں سانحہ ٹھیڑی کے بعد ادارہ گنج شہیداں کے اراکین کے نام جید علمائے کرام کے خطوط کے ساتھ مزید معلومات کا اضافہ بھی کیا گیا ہے۔ واضح رہے کہ مذکورہ کتاب کی اہمیت و افادیت کو دیکھتے ہوئے اس کتاب کا تیسرا ایڈیشن ادارہ گنج شہیداں کی جانب سے شائع کیا جا رہا ہے۔

اس کتاب کے شائع ہونے کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ جہاں ایک جانب موجودہ نسل جو 62 سال قبل وقوع پذیر ہونے والے اس عظیم سانحے کے متعلق صرف اتنا جانتی تھی کہ 1963 میں روزِ عاشور ضلع خیر پور کے قصبے ٹھیڑی میں یہ سانحہ ظہور پذیر ہوا۔ لیکن اس کے علاوہ شیعہ قوم کے افراد کو اس سانحے کے علل و اسباب کا علم نہ تھا۔

الحمدللہ اب ہر سال 3 جون کو میڈیا خصوصاً سوشل میڈیا پر شہدائے ٹھیڑی کو بھرپور خراج عقیدت پیش کیا جاتا ہے وہیں دوسری جانب ماہنامہ پیام اسلام آباد کے ایڈیٹر جناب نثار ترمذی صاحب نے پاکستان کی لائبریریوں اور پھر جناب خوجہ جعفر بھائی (افریقہ والے) نے کینیڈا کے شہر ٹورینٹو میں قائم شیعوں کی ایک بہت بڑی لائبریری اور ڈاکٹر عقیل عباس جعفری نے مشہد مقدس میں حرم امام علی رضاؑ میں واقع لائبریری میں اس کتاب کو رکھوا کر میرے لیے سامانِ اخروی فراہم کیا۔

یہ ان شہدا کے امام حسینؑ کی صدا ھل من ناصر ینصرنا پر عملی طور پر لبیک کہنے کا اثر ہے کہ شہدائے کربلا سے متصل ان شہیدوں کا لہو بھی وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ عالم میں مشتہر ہو رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زمین کا وہ ویران ٹکڑا جوان شہدا کے لاشوں

کی تدفین کے بعد گنج شہیداں کے نام سے موسوم ہوا زیارت گاہِ شہدا بننے کے بعد
تعمیراتی لحاظ سے ایک وسیع زیارت گاہ کی شکل اختیار کرتا جا رہا ہے کہ جہاں 32 شہدا
کی ٹائلز سے ترتیب سے موجود قبور کے علاوہ بین الحرمین کربلا کی طرز پر قبور کے ایک
جانب شبیہہ ضریح امام حسینؑ کے اوپر شبیہہ روضہ امام حسینؑ کی عمارت تعمیر کی گئی ہے
جبکہ شہدا کی قبور کی دوسری جانب شبیہہ ضریح حضرت عباسؑ اور اس کے اوپر شبیہہ
روضہ حضرت عباسؑ کی عمارت کی تعمیر کا کام جاری ہے۔

یہ شہدائے ٹھیڑی کے لہو کا اثر ہے کہ ان کا مقدس لہو پیغام بن کر اُجاگر ہوتا جا رہا
ہے یہی وجہ ہے 2022 جناب غنی حیدر زیدی نے سانحہ ٹھیڑی کے واقعات پر سانحے
حبیب آباد کے نام سے کتاب شائع کی اور اب مئی 2024 میں سانحہ ٹھیڑی کے
عنوان سے مولانا شہنشاہ نقوی صاحب کی کتاب منظر عام پر آئی ہے۔

اُمید ہے دیگر دانشور اور تاریخ دان حضرات بھی اس عظیم سانحے کو قلمبند کر کے
تاریخ کے سُپرد کریں گے۔

سید احمد رضا زیدی
0322-2066093



ڈاکٹر سید عقیل حیدر زیدی
اسلامک ریسرچ اسکالر جامعۃ المصطفیٰ العالمیہ مشہد مقدس۔
۲۲ شوال المکرّم ۱۴۴۵ قمری

## تقریظ

۳ جون ۱۹۶۳ء پاکستان کی تاریخ کا وہ سیاہ ترین دن ہے جب روزِ عاشور ضلع
خیر پور میرس کے ٹھیڑی نامی قصبے میں نہتّے عزادارانِ سید الشہداؑ کو انتہائی بے دردی
اور سفاکیّت کے ساتھ نہ صرف شہید کیا گیا، بلکہ مقامی تکفیری اور وہابی ذہنیت کے
حامل افراد نے یزیدانِ وقت کا کردار ادا کرتے ہوئے، عزاداروں کو مختلف ہتھیاروں
سے شہید کرنے کے بعد اُن کے گلے کاٹے اور پھر اَجساد کو بھینسوں کے ریوڑ سے پامال
اور شہیدوں کے لاشوں کو مسخ کرنے کی پوری کوشش کی۔

یہ عظیم سانحہ پاکستان کی اب تک کی تاریخ کا ایسا ناقابلِ فراموش واقعہ ہے،
جس کی مثال کہیں نہیں ملتی۔ اس واقعہ کے عینی شاہدین کے مطابق، متعدّد شہداء کے
اَجساد شناخت کے قابل نہیں تھے، اس لیے انہیں نامعلوم قرار دے کر دفن کیا گیا اور
بہت سے شہداء کی ان کے اہل خانہ نے مختلف نشانیوں سے شناخت کی۔ اِس عظیم
سانحے میں ۱۵۰ سے زائد مقامی اور غیر مقامی مومنین کو باقاعدہ منصوبہ بندی اور
انتظامیہ کی ملی بھگت سے شہید کیا گیا۔ شہدائے ٹھیڑی کو ضلع بھر کے مختلف مقامات سے
تعلق رکھنے کی بنا پر اکٹھے سپردِ خاک نہ کیا جا سکا، لیکن محلہ لقمان سے تعلق رکھنے والے
اور کچھ نامعلوم شہداء کو یہ اعزاز حاصل ہوا کہ انہیں ''گنجِ شہیداں'' کے مقام پر اکٹھے
دفن کیا گیا۔ گنجِ شہیداں کے انتظامات ''ادارۂ گنجِ شہیداں'' کے اراکین کی نگرانی میں
پوری توجّہ، محنت اور جانفشانی سے انجام پاتے رہے ہیں اور اِس وقت ''گنجِ شہیداں''

عالمی شہرت کا حامل ایک زیارتی مقام بن چکا ہے، جہاں دُور دُور سے مومنین شہداء کو خراجِ تحسین پیش کرنے اور زیارت کے لیے آتے ہیں اور اپنے بچوں کو اس عظیم سانحہ کے بارے میں آگاہ کرتے ہیں۔

کچھ سال قبل ''باب الحوائج فاؤنڈیشن'' نے شہداء کو خراجِ عقیدت پیش کرنے اور مومنین وزائرین کی سہولت کے پیشِ نظر گنج شہیداں کی قبور کو ماربل لگا کر پختہ کیا اور ہر قبر پر شہید کے بارے میں ضروری معلومات فراہم کیں۔

اسی طرح گزشتہ سالوں میں شبیہ روضۂ منوّرہ اور ضریحِ مطہر امام حسین علیہ السلام کی تعمیر و تنصیب کا عظیم منصوبہ ادارۂ ہذا کی کاوشوں سے پایۂ تکمیل کو پہنچا اور اب شبیہ روضہ اور ضریحِ مطہر حضرت ابوالفضل العباس علیہ السلام کے منصوبے پر تیزی سے کام جاری ہے اور مستقبل میں شہداء کی قبور پر سائبان تعمیر کرنے کا منصوبہ بھی زیرِ غور ہے۔ سائبان کی اشدّ ضرورت اس لیے ہے کہ شدید گرمیوں میں ماربل پر ننگے پاؤں چلنا نہ صرف ایک طاقت فرسا کام ہے، بلکہ خواتین اور بچوں کو بھی شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ دوسری طرف زیارت کے لیے آنے والے اور وہاں دعا و مناجات کرنے والوں کو سائبان کی سہولت فراہم کرنا وقت کی ضرورت بھی ہے۔ اس وقت مختلف شہروں سے مومنین مختلف مناسبتوں پر گنج شہیداں کی زیارت کے لیے آتے ہیں اور الحمد للہ اس وقت یہ مقام مرجع خلائق خاص و عام ہے اور اہلِ خیر کی خصوصی توجّہ کا طالب بھی ہے کہ وقت کے تقاضوں کو مدّنظر رکھتے ہوئے یہاں آنے والے زائرین اور مومنین کو بنیادی سہولیات فراہم کی جائیں، تاکہ زیارت، دُعا و مناجات اور عزاداری کی ثقافت کو مزید فروغ دیا جاسکے۔

محترم جناب سیّد احمد رضا زیدی نے، جو سانحہ ٹھیڑی کے عینی شاہد بھی ہیں، پہلی مرتبہ مستند حوالہ جات کے ساتھ شہدائے ٹھیڑی کے بارے میں ''کاروانِ عشق'' نامی



اس کتاب کو علماء کرام کے خطوط، شہداء کی تصاویر اور ان کی مختصر معلومات کے ساتھ مرتّب کیا ہے اور اب تک اس کتاب کے دو ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں اور تیسرا ایڈیشن مزید اضافات کے ساتھ شائع ہونے جا رہا ہے۔ لہٰذا اِن مذکورہ اوصاف کی بنا پر یہ کتاب ایک ایسی تاریخی دستاویز بن گئی ہے جو رہتی دنیا تک بیدار انسانوں کے ذہنوں کو جھنجوڑتی رہے گی اور اس کے مطالعہ سے سانحہ ٹھیڑی سے ناواقف افراد کو خاطر خواہ معلومات میسر آئیں گی۔

جناب سیّد احمد رضا زیدی نہ صرف یہ کہ اچھے تجزیہ نگار ہیں، بلکہ بہترین لکھاری بھی ہیں۔ وہ گزشتہ اَدوار میں مختلف اخبارات میں کالم نگاری بھی کرتے رہے ہیں اور اب تک موصوف کی کئی کتابیں بھی زیورِ طباعت سے آراستہ ہو چکی ہیں، جن میں دو کتابیں ''راہِ زینب علیہا السلام'' اور ''پیغامِ کربلا'' مجموعہ مجالس پر مشتمل ہیں، ''راہِ کربلا'' چہاردہ معصومین علیہم السلام کی مختصر سوانحِ حیات کو بیان کرتی ہے اور ''صدائے کربلا'' شہید قائد علامہ سید عارف حسین الحسینیؒ کی تقاریر کے اقتباسات اور شہید جنرل قاسم سلیمانیؒ کی مختصر سوانحِ حیات پر مشتمل ہے۔

موصوف کو یہ اعزاز بھی حاصل ہوا کہ گزشتہ سال اُن کی کچھ کتابیں حرمِ مطہر امام علی ابن موسیٰ الرضا علیہا السلام کے مرکزی کتابخانے کی زینت بنی ہیں اور مذکورہ کتابخانہ کی اردو کولیکشن میں اضافہ ہوا ہے۔ بارگاہِ ربّ العزّت میں دعا گو ہیں کہ موصوف کو مزید زورِ قلم اور علمی کاوشیں کرتے رہنے کی توفیق و سعادت نصیب فرمائے اور بابرکت طولانی علمی زندگی سے نوازے۔ آمین

مولانا سید ثمر عباس زیدی (قم،ایران)

# شہدا کی یادگاریں

ہر بیدار اور باشعور قوم اپنے عظیم رہنماوں اور شہدا کی یادگاریں قائم کرتی ہیں تا کہ موجودہ اور ہر آنے والی نسل ان کی یادگاروں پر حاضری دے کر ان کے پیغام سے وابستہ اور عملِ پیرا رہیں۔

اس طرح جہاں سعودی عرب میں جنت البقیع، جنت المعلیٰ اور شہدائے احد کی شکستہ حال اور بے سایہ قبور آج بھی ظالموں کے ظلم کی عکاسی کر رہی ہیں وہیں یہ پُرنور قبور روضہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیگر آئمہ طاہرینؑ اور شہدائے کربلا کے روضہ ہائے مقدسہ کا نور بن کر پورے عالم کو منور کیے ہوئے ہیں کہ جہاں عقیدت مند جا کر اپنے روح وقلب کو سکون اور معرفت سے منور کرتے ہیں اسی طرح گنج شہیداں محلہ لقمان خیر پور میں موجود ان شہدائے ٹھیڑی کی قبور کہ جنہوں نے 3 جون 1963ء کو ھل من ناصرأ ینصر نا کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا ہر آنے والے عقیدت مند کو روحانی سکون کے ساتھ ساتھ جرات، شجاعت اور قربانی کا درس دیتی ہیں۔

مومنین کا فرض ہے کہ ایسی یادگاروں سے اپنا رابطہ برقرار رکھ کر عزاداری سیّد الشہدا کو اس کی حقیقی روح کے ساتھ انجام دے سکیں۔



علامہ ماجد رضا عابدی

# شہداء کی عظمت

پیغمبر اکرمؐ نے ارشاد فرمایا:

**یا علی علیہ السلام انت و شیعتک هم الفائزون۔** آپؑ اور آپ کے شیعہ کامیاب ہیں۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے اپنی تصنیف میں اور ابن عاکر دمشقی نے اپنی تصنیف میں لکھا ہے۔

جناب حضرت جابر عبداللہ بن انصاری فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہؐ اللہ کے ساتھ تھے اتنے میں علیؑ ابن ابی طالب تشریف لائے پس رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ حضرت علیؑ اور ان کے شیعہ قیامت کے دن کامیاب ہوں گے پس جب یہ آیت نازل ہوئی کہ جو لوگ کامیاب ہوئے ایمان لائے اور عمل صالح انجام دیتے ہیں وہ لوگ بہترین مخلوق ہوں گے۔ رسول اللہؐ نے حضرت علیؑ کو مخاطب کر کے فرمایا آپ اور آپ کے شیعہ قیامت کے روز اس عالم میں آئیں گے کہ وہ لوگ اللہ سے اور اللہ اُن سے راضی ہوگا۔

لیکن جب ہم تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ بجائے محبت علیؑ کے تاریخ بنو اُمیہ اور بنو عباس کی دُشمنی اہلبیتؑ سے بھری پڑی ہے ان جابر حُکمرانوں اور بادشاہوں نے چاہا کہ اسلام محمدی کی جگہ اپنا من پسند اسلام جاری کریں۔

لیکن تاریخ اسلام گواہ ہے کہ ان حُکمرانوں کی صدیوں کی محنتوں اور کوششوں کے باوجود شیعان علیؑ اپنی جانوں کا نذرانہ دے کر اصل اسلام کی پاسداری کرتے رہے کہ جہاں قرآن اور اہلبیتؑ سے تمسک کو اسلام کی اصل بُنیاد قرار دیا گیا تھا۔

روز عاشور میدان کربلا میں بقائے اسلام کی خاطر دی جانے والی عظیم قُربانیوں کے بعد

جناب زینبؑ وکلثومؑ کی جانب سے عزاداری سید الشہدا علیہ السلام کی سربراہی میں جس تحریک کا آغاز ہوا اُس نے شیعان حیدر کرار کو وہ ہمت وحوصلہ عطا کیا کہ پھر اسلام دُشمنوں کی جانب سے محبانِ اہلبیت کا دیواروں میں چُنوایا جانا ، اُن کے گھروں کو مسمار اور نذرِ آتش کیا جانا پیروکارانِ علیؑ کے پائے استقامت میں کوئی جُنبش پیدا نہ کرسکا اور پھر جتنا جتنا سلسلہ عزاداری آگے بڑھتا گیا ظلم وجبر کی دیواریں ظالموں کو اپنے ساتھ لئے ہوئے زمین بوس ہوتی چلی گئیں۔

حالیہ دور میں بھی جب فتنہ وہابیت نے سر اُٹھایا اور یزیدان وقت داعش نے روضہ اقدس امام حسینؑ اور دیگر روضہ ہائے مقدسہ کو تباہ اور مسمار کرنے کا نعرہ لگا کر اپنے ناپاک مشن کا آغاز کیا تو شیعانِ حیدرِ کرار نے جرأت و بہادری کی وہ تاریخ رقم کی کہ دُشمنان اہلبیتؑ اپنے وجود ناپاک کے ساتھ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے زمین بوس ہو گئے۔

۳ جون ۱۹۶۳ء کو خیر پور شہر کے قصبہ ٹھیڑھی میں وقوع پذیر ہونے والا سانحہ بھی ان ہی ناپاک سلسلوں کی کڑی تھا کہ جہاں روز عاشور عزاداران حسینؑ ابن علیؑ نے اپنی جانوں کا نذرانہ دے کر ایک عظیم تاریخ رقم کی ۔ یہاں بھی نہتے عزاداروں پر گولیوں، کلہاڑیوں ، نیزوں اور برچھیوں سے حملہ کیا گیا اور صرف اُن کو شہید ہی نہیں بلکہ اُن کو قتل کرنے کے بعد اُن کی لاشوں کو بھینسوں کے سُموں سے پامال کیا گیا اور اُس کے بعد ایک خشک کنویں میں شہدا کی لاشوں کو ڈال کر نذرِ آتش کرنے کی کوشش کی گئی۔

ادارہ گنج شہیداں لقمان خیر پور کہ جو گنج شہیداں کے وجود میں آنے کے ساتھ ہی پہلے دن سے شہیدوں کی اس زیارت گاہ کی تعمیر وترقی میں ہمہ تن مصروف ہے۔ اس پُر درد سانحے کی روداد پر مشتمل جناب سید احمد رضا زیدی کی تصنیف کاروان عشق (شہدائے ٹھیڑھی) کا تیسرا ایڈیشن شائع کر رہا ہے جس میں شہدا کے مزید فوٹو اور ۱۹۶۳ء میں اُس وقت کے علمائے کرام کے سانحہ ٹھیڑی سے متعلق خطوط بھی ہیں۔

پروردگار عالم سے دُعا ہے کہ وہ ادارہ گنج شہیداں کے کارکنان اور جناب سیّد احمد رضا کی توفیقات میں مزید اضافہ فرمائے۔



ذاکرہ اہلبیتؑ : آمنہ بتول

(ایم ۔ ایس ۔ سی اپلائڈ سائکلوجی)

# شہداء کی قبور کی زیارت

تاریخ کے مستند حوالوں سے یہ بات ثابت ہے کہ رسول اکرم ﷺ اپنے چچا سالار شہداء حضرت امیر حمزہؓ اور دیگر باعظمت شیعوں کی قبور پر سورہ فاتحہ اور دیگر دعائیہ کلمات پڑھنے کے لیے جاتے تھے۔

رسول اکرم ﷺ کی پیروی کرتے ہوئے ہم بھی چہاردہ معصومینؑ اور دیگر عظیم ہستیوں کی قبور پر حاضری دے کر سورہ فاتحہ پڑھنے کے ساتھ ساتھ اپنی روح کو جلا بخشتے ہیں اور راہِ اسلام پر گامزن رہنے کے لیے تجدید عہد کرتے ہیں۔

3 جون 1963 روزِ عاشور تحفظ عزاداری میں شہادت پانے والے شہداء کی قبور جو کہ گنج شہیداں لقمان خیر پور کے نام سے موسوم ہیں۔ ہمارے لیے وہ مینار نور ہیں کہ جو شہدائے کربلا سے وابسطہ ہو کر ہر آنے والے زائر کو ہمت، شجاعت حوصلہ اور دین کی حفاظت کے لیے ہر قربانی دینے کا درس دیتی ہیں۔

ہمارا فرض ہے کہ ہم پاکستان میں موجود ”مزار بی بی پاک دامن، مزار عبداللہ شاہ غازیؒ“ کی طرح گنج شہیداں لقمان خیر پور پر حاضری کو ضروری بنائیں تا کہ ہم اور ہماری آنے والی نسلیں اپنے قلوب کو روحانیت سے منور رکھ سکیں۔

پروفیسر بیدار جعفری

# میری نظر میں

۳ جون ۱۹۶۳ کو روزِ عاشور خیر پور کے قصبہ ٹھیڑی میں رونما ہونے والا سانحہ یقیناً سرزمین پاکستان پر رونما ہونے والا ایک عظیم سانحہ ہے۔اس سلسلے میں کتاب ’کاروانِ عشق‘ کی شکل میں جناب سیّد احمد رضا زیدی کی کاوش قابلِ ستائش ہے اس کے علاوہ مصنف نے ایک عینی شاہد کی حیثیت سے مستند حوالہ جات دے کر اس سانحے کو کتابی شکل میں رقم کر کے ایک تاریخی سند عطا کی ہے۔

جہاں تک خیر پور کی فضاؤں میں بسی ہوئی محبت اہلبیتؑ کے اثر کا تعلق ہے میں بھی یہی کہوں گا کہ یہ وہاں کی مٹی کا اثر ہے اس کے علاوہ زیدی سادات گھرانے سے تعلق رکھنے کی بنا پر بھی سیّد احمد رضا زیدی کا ایک جذباتی لگاؤ سندھ کی سرزمین سے ہے کیونکہ زیدی سادات کے جد امجد میں امام زین العابدینؑ کے فرزند جناب زید شہیدؒ کی والدہ بی بی حسینہ خاتونؒ کا تعلق بھی سندھ کی سرزمین سے تھا۔

اگر قارئین اس حقیقت کو شاعری سے تعبیر نہ کریں تو میں یہ کہوں گا کہ دریا۔ پہاڑ۔سرسبز کھیتوں، بلند قامت کھجوروں، مہکتے پھولوں اور مختلف تہذیبوں کے سنگم سے تعبیر خیر پور ریاست کے پورے صوبے پر بہت گہرے اثرات موجود ہیں۔ اس لیے اب یہ ضلع سندھ کے سینے میں وہی مقام رکھتا ہے جو جسم میں روح اور قلب کا ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ تالپور عہد



سے اس سرزمین کا تعارفِ مکتبِ اہلبیتؑ سے ہوا۔لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ قیام پاکستان کے بعد اردو بولنے والے حضرات نے اس الفت اہلبیتؑ کو درجہ کمال تک پہنچایا۔

سیّد احمد رضا زیدی نے کاروانِ عشق میں سندھ کے بہت سے سپوتوں کا تذکرہ کیا ہے لیکن نمائندہ نسل میں خود سیّد احمد رضا زیدی، آل محمد رزمی مرحوم، شہید راحت کاظمی، میجر افتخار اور سیّد طاہر عباس زیدی بھی ایسے معتبر نام ہیں جنہوں نے اپنے حلقوں میں اس سرزمین کا منفرد تعارف کرایا ہے۔ میں ’’کاروانِ عشق‘‘ کے مصنّف کے بارے میں اپنے اظہارِ رائے کو ان دعائیہ الفاظ پر ختم کروں گا کہ ’’اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ‘‘۔

سیّد شہنشاہ علی جعفری

# منفرد خصوصیت

میرے لیے یہ باعث خوشی ہے کہ موجودہ دھائی کے لیے لکھنے والوں میں مشہور مصنف سیّد احمد رضا زیدی کی بیشتر کتابوں کی پبلشنگ ہمارے ادارے نے کی ہے اور اب ادارہ گنج شہیداں کی جانب سے شائع کی جانے والی کاروانِ عشق کی طباعت بھی ہمارا ادارہ کر رہا ہے۔

مصنف کی تمام تر کتابیں مذہب اور تاریخ سے تعلق رکھتی ہیں مصنف کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ کتاب پڑھنے والے کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے وہ خود واقعات کا مشاہدہ کر رہا ہو۔

کتاب کاروانِ عشق کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ تمام تر واقعات کسی سے سن کر نہیں تحریر کیے بلکہ وہ ان واقعات کے خود چشم دید گواہ ہیں۔ اس لئے مذکورہ کتاب کاروانِ عشق ٹھیڑی کے سانحے پر ایک مستند تاریخی کتاب کی حیثیت رکھتی ہے۔



سیّد طاہر عباس زیدی
ریٹائرڈ پرنسپل سائنٹفک آفیسر
پاکستان کونسل آف سائنٹفک اینڈ انڈسٹریل ریسرچ
حکومت پاکستان، وزارت سائنس وٹیکنالوجی

# مصنّف کے بارے میں

کاروانِ عشق کے مصنّف میرے برادرِ بزرگ سیّد احمد رضا زیدی ایک سال کے تھے کہ ۱۹۴۷ میں والدین کے ہمراہ نقلِ مکانی کر کے پاکستان کے شہر خیر پور محلہ لقمان میں آباد ہوئے۔ پرائمری تعلیم محلے میں قائم سندھی اسکول میں پائی۔ ۱۹۶۲ میں ناز ہائی اسکول سے میٹرک اور ۱۹۶۶ میں ممتاز کالج سے بی۔اے۔کیا۔ ۱۹۷۰ میں کراچی منتقل ہوئے اور ۲۰۰۷ میں سوشل سیکورٹی کے محکمے میں ڈپٹی ڈائریکٹر کے عہدے سے رٹائر ہوئے۔

اس دوران آپ لقمان خیر پور کے سماجی اور مذہبی اثرات کے سبب ہمیشہ سماجی اور مذہبی سرگرمیوں سے منسلک رہے۔ نیز ایک قومی روزنامے میں وطن کی سلامتی اور قوم کی فکری تربیت کے حوالے سے کالم لکھے۔

علاوہ ازیں ایک اور قومی روزنامے کے اداریے بھی تحریر کئے۔ اور اب بھی ایک قومی روزنامے سے منسلک ہیں۔ دو برس قبل راہِ زینبؑ کے عنوان سے دس مجالس پر مشتمل ایک کتاب تحریر کی جس

کے اب تک دو ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ جب کہ مجالسِ عزا کے حوالے سے ایک اور کتاب زیر طباعت ہے۔ ایک لکھاری کی حیثیت سے عوام الناس میں شناسائی اس لئے پیدا نہیں ہوئی کیونکہ کبھی قلم کو پیشے کے طور پر استعمال نہیں کیا۔ لیکن ہمیشہ اس بات کو باعثِ افتخار سمجھا کہ پروردگار عالم نے دین کی خدمت کی توفیق عطا فرمائی ہے۔



## خیر پور کا سیاسی، سماجی اور مذہبی پس منظر

خیر پور سندھ کا ایک معروف شہر ہے۔ تقسیم ہند سے قبل ریاست کا درجہ رکھنے والا یہ شہر کئی خصوصیات کا حامل ہے۔ والی ریاست ہز ہائی نس میر علی مراد خان تالپور اور اُن کے آباء و اجداد کا تعلق شیعہ مسلک سے ہونے کے سبب عزاداری سید الشہدا علیہ السلام کے حوالے سے اس شہر کو خصوصی اہمیت حاصل رہی۔ پاکستان میں ون یونٹ کے قیام سے قبل خیر پور کو ڈویژن کا درجہ حاصل تھا جس میں سکھر سے لے کر نواب شاہ تک کے علاقے شامل تھے۔ لیکن ون یونٹ کے بعد ضلع سکھر کو ڈویژن کا درجہ دے دیا گیا اور خیر پور کو ضلع قرار دے کر سکھر ڈویژن میں شامل کر دیا گیا۔ والی ریاست اور اُن کے وزیر اعلیٰ جناب ممتاز حسین قزلباش مرحوم کی وجہ سے ہندوستان سے نقل مکانی کرنے والے سادات کے گھرانے بڑی تعداد میں خیر پور منتقل ہوئے جس کی وجہ سے یہاں عزاداری سید الشہدا علیہ السلام کو مزید فروغ حاصل ہوا۔ لیکن مُلک دشمن اور اہلبیتؑ دشمن پالیسی سازوں کو یہ ماحول کسی طرح ہضم نہیں ہو رہا تھا جس کی وجہ سے پورے ملک کی طرح خیر پور میں بھی ریشہ دوانیوں کا آغاز ہوا۔ جس کے نتیجے میں روز عاشور ۳ جون ۱۹۶۳ء کو خیر پور کے قصبہ ٹھیڑی میں ایک المناک سانحہ رونما ہوا جس میں تین سو (۳۰۰) کے قریب مومنین شہید ہو گئے۔

۱۹۹۰ء کی دھائی میں ایک مرتبہ پھر خیر پور کی پُر امن فضا کو خراب کرنے کی کوشش کی گئی جس کے لیے مُلک کے ایک وطن اور عوام دشمن ٹولے کو وہاں سے ایک مرکزی قیادت بھی فراہم کی گئی لیکن خیر پور کی محبت بھری فضاؤں میں یہ زہریلے جراثیم نشوونما نہ پا سکے اور یہ دہشت گرد ٹولہ خود اپنی موت مرتا چلا گیا۔

جہاں تک ٹھیڑی کا تعلق ہے ٹھیڑی قصبہ خیر پور شہر سے سکھر کی جانب جاتے ہوئے دس کلو میٹر کے فاصلے سے نیشنل ہائی وے پر واقع ہے ۔ پورا سندھ ولائے اہلبیتؑ کا حامل ہونے کے باوجود ٹھیڑی شروع سے ہی شیعہ دشمن افراد کا گڑھ رہا، اس حوالے سے یہاں ایک بہت بڑا مدرسہ بھی قائم ہوا تھا جس میں شیعوں کے خلاف نفرت انگیز تعلیم دی جاتی تھی جس کی وجہ سے یہاں کی آبادی شیعوں کے خلاف نفرت انگیز اور انتہا پسند جذبات رکھتی تھی ۔ اور یہی سوچ اس المناک سانحے کا سبب بنی لیکن آج کا ٹھیڑی کل کے ٹھیڑی سے مختلف ہے کیونکہ نئی نسل تعلیم سے بہرہ مند ہو کر اس بات کو سمجھ چکی ہے کہ فرقہ واریت کی فضا قائم کرنے والے اور اُن کی بستی کو بدامنی سے دو چار کرنے والے کسی کے ایجنٹ تو ہو سکتے ہیں لیکن اُن کے دوست نہیں ہو سکتے ۔

## خیرپور کا شیعی ماحول

جب ۳ جون ۱۹۶۳ء کو ٹھیڑی میں یہ المناک سانحہ رونما ہوا اُس وقت اس قصبہ کی آبادی چھ سے سات ہزار نفوس پر مشتمل تھی، جبکہ خیر پور شہر اُس وقت تقریباً ایک لاکھ آبادی کا شہر تھا، اگر چہ ٹھیڑی کی کُل آبادی میں اُس وقت مُحب حسینؑ ابن علیؑ مہدی شاہ شہید کا صرف ایک مکان تھا لیکن یہاں رہائش پذیر یہ مومن سندھ کی ہواؤں میں رچی ہوئی محبت اہلبیتؑ کی وجہ سے اپنے گھر میں باقاعدہ مراسم عزاداری انجام دیتا تھا۔ جس میں ٹھیڑی سے ۵ کلو میٹر کے فاصلہ پر واقع قصبہ ببرلو اور خیر پور شہر کے کچھ افراد شرکت کرتے تھے ۔

جبکہ خیر پور شہر کا شیعی ماحول یہ تھا کہ محرم کے علاوہ عام دنوں میں بھی دکانوں، ہوٹلوں اور پارکوں میں بیٹھے افراد اکثر تذکرہ اہلبیتؑ اور نوحہ خوانی کرتے نظر



آتے تھے ۔

اس ماحول کو بنانے میں والی ریاست ہز ہائی نس میر علی مراد خان تالپور کا اہم کردار ہے ۔ ہز ہائی نس میر علی مراد خان تالپور شریف النفس، صاحب تقویٰ، باکردار اور باعمل انسان ہیں ۔ آپ نے حضرت علی علیہ السلام کی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے اپنے دورِ حکمرانی میں ریاست میں عدل وانصاف کا خاص خیال رکھا۔ جس کی وجہ سے یہاں ہر مکتبِ فکر کو اُس کے اپنے عقیدے پر عمل کرنے کی مکمل آزادی تھی، وگرنہ یہ ممکن نہ تھا کہ خیر پور کی ریاست میں ٹھیڑی جیسی آبادی کا قیام عمل میں آتا ۔ اور یہی وجہ ہے کہ خیر پور میں آپ پہچان نہیں سکتے کہ سنی کون ہے؟ اور شیعہ کون ہے؟ لاتعداد اہلسنت کے مکانات پر علم مبارک نصب ہیں وہ ہاتھ باندھ کر نماز پڑھتے ہیں لیکن عزاداروں کے ساتھ مل کر ماتم بھی کرتے ہیں ۔

آپ کے عدل وانصاف کا عالم یہ تھا کہ آپ نے والی ریاست ہوتے ہوئے جب خیر پور میں قائم بڑے علم کے نام سے موسوم امام بارگاہ کی چہار دیواری تعمیر کرانے کا کام شروع کیا تو چہار دیواری کے درمیان میں حکیم ضمیر نامی شخص کا مکان آرہا تھا جس کی وجہ سے چہار دیواری کی سیدھ میں فرق پڑ رہا تھا، آپ نے اُس شخص کو اُس وقت کی مکان کی قیمت سے چار گنا زیادہ قیمت تک ادا کرنے کی پیشکش کی لیکن اُس نے انکار کر دیا، جس کے بعد آپ نے امام بارگاہ کی چہار دیواری کا ٹیڑھا ہونا تو گوارا کر لیا لیکن بزورِ طاقت اُس سے مکان خالی نہیں کرایا۔ جبکہ والیٔ ریاست کی حیثیت سے ایسا کرنا آپ کے لیے کوئی مسئلہ نہ تھا۔

بڑے علم کے نام سے موسوم یہ امام بارگاہ ایک قدیمی امام بارگاہ ہے جہاں ضریح امام حسینؑ بھی نصب ہے ۔ اس امام بارگاہ میں شیعہ، سنی افراد کے علاوہ بڑی تعداد

میں ہندو مرد وخواتین بھی آتے ہیں کیونکہ ہندو برادری کی اہل بیتؑ کے گھرانے سے محبت وعقیدت دورِ رسول اکرمؐ سے ہے، جس کا واقعہ کربلا کے بعد اُن کے ادیبوں، شاعروں اور دانشوروں نے کھل کر اظہار کیا اس حوالے سے سندھ میں حسینیؑ برہمن کے نام سے بھی ایک قوم آباد ہے۔ جس کے افراد ہمیشہ گیرو رنگ کے کپڑے پہنے رہتے ہیں۔ سندھ میں تھرپارکر کے قریب مٹھی شہر میں ہندوؤں کے عزا خانے ہیں جہاں وہ ایامِ محرم میں خود ذاکری اور نوحہ خوانی کرتے ہوئے جلوسِ عزا برآمد کرتے ہیں۔

سندھ میں راجہ داہر کا اہلبیتؑ کے گھرانے کے افراد کو پناہ دینے کا عمل بھی اہلبیتؑ سے محبت وعقیدت کی وجہ سے تھا۔ جس کو بنو اُمیہ کے درباری اور پیشہ ور تاریخ دانوں نے غلط طور پر حجاج بن یوسف جیسے ظالم اور سفاک شخص کی راجہ داہر کی قید میں مظلوم عورتوں کی دادرسی سے تعبیر کیا۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ حجاج بن یوسف نے محمد بن قاسم کو راجہ داہر کی پناہ میں موجود اہلبیتؑ کے گھرانے کے افراد کو گرفتار کر کے انہیں اپنے پاس لانے کے لیے بھیجا تھا۔ اسی طرح اہلِ سندھ کو محمد بن قاسم کے ذریعے اسلام سے متعارف کرانے کے قصے کا بھی حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں کیونکہ اہلِ سندھ حضرت علیؑ کے دورِ خلافت میں آپ کی جانب سے سندھ پر حملہ کرنے کے لیے لشکر بھیجنے کے بجائے آپ کی جانب سے بھیجے گئے ایک وفد کے ذریعے اسلام قبول کر چکے تھے۔ اس لیے یہ اہلیانِ سندھ کی توہین ہے، اگر یہ کہا جائے کہ اہلِ سندھ جو پہلے ہی دورِ خلافتِ حضرت علیؑ میں مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے ان کو محمد بن قاسم نے مسلمان کیا۔

واضح رہے کہ قرآن پاک کا سب سے پہلے دنیا کی جس زبان میں ترجمہ ہوا وہ سندھی زبان تھی۔

اس سلسلے میں سندھ کی تاریخ کے حوالے سے اس بات کو ریکارڈ پر لانا بہت



ضروری ہے کہ جب گذشتہ پچیس سال پہلے پاکستان ٹیلی ویژن نے محمد بن قاسم کے نام سے ایک ڈرامہ سریل پیش کی، جس میں حجاج بن یوسف کو ایک ہمدرد انسان کے طور پر پیش کیا گیا تو سندھ کی ایک نامور سیاسی وسماجی شخصیت اور مشہور ادیب دانشور اور تاریخ داں جناب رسول بخش پلیجو کا اخبارات میں ایک بیان شائع ہوا جس میں انھوں نے کہا تھا کہ اس ڈرامے کو فوری طور پر بند کیا جائے کیونکہ حجاج بن یوسف جیسے درندہ صفت ظالم اور شقی شخص نے محمد بن قاسم کو مظلوم عورتوں کی دادرسی کے لیے نہیں بلکہ راجہ داہر کی پناہ میں موجود اہلبیتؑ کے گھرانے کے افراد کو قید کرا کر لانے کے لیے بھیجا تھا۔ یہاں صاحبانِ علم اور تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے افراد کے لیے اس بات کا جاننا ضروری ہوگا کہ پاکستان میں ایک بہت مشہور طباعتی ادارے فیروز سنز لمیٹڈ نے ایک کتاب ''دنیا کے 9 خبیث ترین انسان'' کے نام سے شائع کی ہے ان 9 افراد میں حجاج بن یوسف بھی شامل ہے۔ میں نوجوانوں خصوصاً طالب علموں سے کہوں گا کہ وہ حجاج بن یوسف کے بارے میں ضرور پڑھیں تاکہ ان کو علم ہو کہ اہلبیتؑ کے دشمنوں نے کس طرح کائنات کے بدترین افراد کو اسلام کا ہیرو بنا کر پیش کیا ہے۔

اس کے علاوہ اہلیانِ سندھ کے اہلبیتؑ کے گھرانے سے تعلق کے حوالے سے سندھ کی مشہور تاریخ چچ نامہ میں درج ہے کہ دورِ خلافت حضرت علیؑ میں سندھ کا ایک شخص آپ کے پاس بیت المال میں خزانچی کی حیثیت سے ملازم تھا۔ یہ اہالیانِ سندھ کا اہلبیتؑ کے گھرانے سے محبت وعقیدت کا عالم ہی تھا کہ امام حسینؑ نے اپنے فرزند امام زین العابدینؑ کی شادی سندھ کے گھرانے میں بی بی حسینہؑ خاتون سے کی جن کے بطن سے حضرت زید شہیدؑ پیدا ہوئے جن کو بنو اُمیہ کے حکمرانوں نے قتل کر

کے لاش کو سولی پر لٹکا دیا اور بعد میں آپؑ کی لاش کو نذر آتش کر دیا گیا۔سندھ اور دیگر
علاقوں میں جو زیدی سادات پائے جاتے ہیں ان کا شجرہ نسب حضرت زید شہیدؒ سے
ملتا ہے ۔ اہالیانِ سندھ کا اہلبیتؑ کے گھرانے سے تعلق کے بارے میں کتبِ
تاریخ نے لکھا کہ ایک مرتبہ امام زین العابدینؑ کے پاس کچھ افراد تشریف لائے،
امام زین العابدینؑ نے ان سے ایک ایسی زبان میں گفتگو کی جس کو وہاں موجود
دوسرے افراد نہ سمجھ پائے جب وہ لوگ چلے گئے تو امام زین العابدینؑ کے قریب
بیٹھے ہوئے افراد نے امام زین العابدینؑ سے پوچھا کہ مولاؑ یہ کون لوگ تھے اور آپ
ان سے کس زبان میں گفتگو فرما رہے تھے ۔امام زین العابدینؑ نے کہا کہ یہ میری
زوجہ کے عزیز و اقارب تھے ۔جو سندھ سے تشریف لائے تھے اور میں ان سے سندھی
زبان میں گفتگو کر رہا تھا۔

آپ خیر پور کے ولائے علیؑ سے بھر پور ماحول کا اس بات سے اندازہ لگائیں کہ
شہر سے ۵ کلومیٹر دور کالج جانے والا بس کا پوائنٹ اُس وقت تک چلتا ہی نہیں تھا جب
تک بس میں نعرہ حیدری نہ لگا لیا جائے ۔ایک مرتبہ کالج کے کانووکیشن میں مہمان خصوصی
مرکزی سیکریٹری تعلیم خدا بخش بُچہ کو اُس وقت حیرت کا سامنا کرنا پڑا جب کانووکیشن کے
پروگرام کے دوران طلبا نے نعرہ صلواۃ بلند کیا اور تین مرتبہ دورد پاک کا ورد ہوا۔

یہ ۱۹۶۳ء کا واقعہ ہے کہ اُس وقت کی وزیر تعلیم محمودہ سلیم کی پالیسیوں کے خلاف
پورے پاکستان کے طلبہ سراپا احتجاج تھے کہ خیر پور کے طلبا نے بھی ایک احتجاجی جلوس
نکالا اور جب محمودہ سلیم کے خلاف نعرے بازی اور غل غپاڑہ کرتے ہوئے طلبا خیر پور
شہر میں داخل ہوئے تو وہاں چند لوگوں نے طلبا سے کہا کہ شرم کی بات ہے آج
۱۹ رمضان روز ضربت حضرت علیؑ ہے اور آپ لوگ غل غپاڑے میں مصروف ہیں،بس



یہ سننا تھا کہ آناً فاناً محمودہ سیلم کے خلاف نعرے بازی کرنے والا جلوس ماتمی جلوس کی
شکل اختیار کر گیا،ماتمی انجمنیں تشکیل پا گئیں اور اس طرح یہ ماتمی جلوس شہر کے وسط میں
قائم پھول باغ میں اختتام پذیر ہوا۔

یہاں یہ واقعہ بھی قارئین کو خیر پور کے شیعی ماحول کو سمجھنے اور دلچسپی سے خالی نہ
ہوگا کہ ۱۹۶۰ء کی دھائی میں سعودی عرب کی حکومت نے حکومت پاکستان کو غلاف
کعبہ کی تیاری کا کام سونپا۔جب غلاف کعبہ تیار ہوگیا تو حکومت پاکستان نے غلاف کعبہ
سعودی عرب روانہ کرنے سے قبل پاکستان کے عوام کو غلاف کعبہ کی زیارت کرانے
کا پروگرام بنایا،جس کے لیے کراچی سے پشاور جانے والی ٹرین میں ایک اسپیشل
بوگی لگائی گئی جس میں اُس وقت کی ایک مشہور سیاسی،سماجی اور مذہبی شخصیت حاجی
فضل احمد کشمیر والا جن کی اصل وجہ شہرت اُن کی تلوار تھی جو وہ جلسے اور جلوس میں
اپنے پاس رکھا کرتے تھے چند حیدری اسکاؤٹس کے نوجوانوں کے ہمراہ غلاف کعبہ
لے کر ٹرین کی بوگی میں سوار ہوئے اور پھر کراچی سے پشاور تک ہر اسٹیشن پر جہاں یہ
گاڑی ٹھہرتی فضل احمد کشمیر والا بوگی کے دروازے پر آ کر تلوار لہراتے ہوئے نعرہ
تکبیر لگاتے اور اسٹیشن پر آئے ہوئے ہزاروں کی تعداد میں زائرین اُن کے نعرہ
کا جواب دیتے ۔اب جب یہ ٹرین کراچی سے پشاور جاتے ہوئے خیر پور کے اسٹیشن
پر پہنچی تو یہاں بھی فضل احمد کشمیر والا اپنی تلوار لیے ٹرین میں لگی بوگی کے
دروازے پر آئے اور تلوار لہراتے ہوئے نعرہ تکبیر لگایا۔اسٹیشن پر موجود زائرین
نے اللہ اکبر کہہ کر نعرہ تکبیر کا جواب دیا لیکن اس کے بعد اسٹیشن کی فضا نعرہ حیدری
سے گونجنے لگی اور پھر فضل احمد کشمیر والا تلوار لہراتے ہوئے غصے کی حالت میں بوگی
میں واپس چلے گئے ۔لیکن سونے پر سہاگہ یہ ہوا کہ نعرہ حیدری کے بعد ماتم داری

بھی شروع ہوگئی۔ ان سب عوامل کا نتیجہ یہ نکلا کہ حکومت سعودی عرب نے حکومت پاکستان سے یہ کہہ کر غلاف کعبہ لینے سے انکار کر دیا کہ حکومت پاکستان غلافِ کعبہ کی عوام الناس کو زیارت کرا کر شرک کی مرتکب ہوئی ہے اور پھر حکومت سعودی عرب نے دوسرے غلاف کعبہ کی تیاری کی ذمہ داری حکومت ترکی کو سونپی۔ صاحبان علم اور صاحبان اقتدار کا فرض ہے کہ وہ دیکھیں کہ حکومت پاکستان کا تیار کردہ غلاف کعبہ اس وقت کہاں ہے تا کہ اُس غلاف کعبہ کو کسی میوزیم میں عوام الناس کی زیارت کے لیے رکھ دیا جائے کیونکہ یہ غلاف کعبہ منسوب تو خانہ کعبہ سے ہی ہے۔ حقائق و تاریخ کے متلاشی اِس واقعے سے متعلق تفصیلات اُس وقت کے اخبارات میں دیکھ سکتے ہیں۔ جو کہ شہ سرخیوں کے ساتھ شائع ہوئی تھیں۔

اس کے علاوہ خیر پور شہر میں ماہِ محرم کی خصوصیت کے حوالے سے عرض کرونگا کہ یوں تو محرم کا چاند نمودار ہوتے ہی بڑے بڑے نقاروں سے بلند ہونے والی غمگین صدائیں شاہ عبداللطیف بھٹائی کے اُس شعر میں ڈھل جاتی ہیں کہ: ”محرم آگیا اُمت کے شہزادے نہیں آئے“ وہیں گھروں اور بازاروں میں ٹیپ ریکارڈ پر اور امام بارگاہوں سے مجلس و ماتم کی بلند ہونے والی صدائیں کربلائی منظر پیش کر رہی ہوتی ہیں۔ اس کے ساتھ ہی خیر پور شہر میں ۶ محرم کو جناب علی رضا شاہ کے تھلے سے برآمد ہونے والا جلوس بھی اہمیت کا حامل ہے، جسے کھُمبے کا جلوس کہا جاتا ہے، اس جلوس کی خصوصیت یہ ہے کہ جلوس عزا برآمد ہونے سے قبل ایک شخص گھوڑے پر بیٹھ کر آتا ہے جس کو قاصد جناب صغراؑ کہا جاتا ہے اور پھر وہ جناب صغراؑ کا امام حسینؑ کے نام لکھا ہوا خط مجمع کے درمیان پڑھتا ہے جس کی وجہ سے نہایت رقت آمیز سماں ہوتا ہے، اس جلوس عزا میں کیونکہ شہر کے قُرب و جوار کے افراد بھی بڑی تعداد میں شرکت کرتے ہیں، اس لیے یہ جلوس عزا



مرکزی حیثیت کا حامل ہے۔

واضح رہے کہ اس جلوسِ عزاداری کے بانی جناب سید علی رضا زیدی اوّل کے دادا سید بندے علی زیدی ۱۸ ویں صدی عیسوی میں ہندوستان کے شہر مظفر نگر میں قائم سیدوں کی بستی جانسٹھ سے نقلِ مکانی کر کے خیر پور تشریف لائے تھے۔ خیر پور اس وقت اُس وقت کے حکمراں سہراب خان تالپور کے نام کی مناسبت سے سہراب پور کہلاتا تھا بعد ازاں ۱۸۹۶ء میں اس وقت کے حکمراں میر مراد علی تالپور کو سید بندے علی زیدی کے پوتے سید علی رضا اول نے مذہبِ حقہ سے روشناس کرایا اور غالباً اسی دور میں یہ علاقہ سہراب پور کے بجائے خیر پور کہلانے لگا اور اس طرح خیر پور شیعت اور عزاداری کے ایک بڑے مرکز میں تبدیل ہوگیا اور اس دور سے ہی چھ محرم کو سید علی رضا شاہ کے گھر سے برآمد ہونے والا جلوسِ عزا کھمبے کے جلوس کے نام سے برآمد ہونے لگا۔ اس طرح نسلاً بعد نسلاً موجودہ وقت میں سید امام علی شاہ دوئم اس جلوسِ عزا کے انتظامات انجام دیتے ہیں اور اس طرح انشاءاللہ قیامت تک یہ سلسلہ جاری رہے گا۔

اس کے علاوہ خیر پور شہر میں ۸ محرم کو برآمد ہونے والا جلوس عزا بھی ایک خاص اہمیت کا حامل ہے، اس جلوس عزا میں خیر پور کے قرب وجوار کے افراد کے علاوہ خیر پور کے محلہ لقمان سے ہزاروں کی تعداد میں افراد جلوس کی شکل میں شرکت کرتے ہیں۔ یہاں دوران جلوس چھتری کے مقام پر تقریر ہوتی ہے جس میں اپنے زمانہ طالب علمی اور خیر پور میں وکالت کے دوران قیام پذیر سپریم کورٹ کے سابق جج جناب اسلم جعفری بھی کئی سال تک عزاداروں سے خطاب کرتے رہے۔ ایک مرتبہ بی بی سی ریڈیو نے روز عاشور کی رپورٹنگ کرتے ہوئے اپنے پروگرام میں کہا تھا کہ پاکستان کے شہر خیر پور میں ۸ محرم کو ایک ایسا جلوس عزا بھی برآمد ہوتا ہے جس میں وہاں کی آبادی سے

زیادہ افراد شرکت کرتے ہیں۔اس کے علاوہ خیر پور میں عزاداری کے حوالے سے خیر پور سے ۲۳ کلومیٹر کے فاصلے پر روہڑی میں شب عاشور ضریح امام حسینؑ کا بین الاقوامی اہمیت کا حامل جلوس عزا برآمد ہوتا ہے جس میں گذشتہ سال ۵ لاکھ افراد نے شرکت کی۔

عزاداری سید الشہداؑ کے حوالے سے خیر پور ٹیکسٹائل مل جس کا پاکستان کی چند بڑی ملوں میں شمار ہوتا تھا مکمل ایرکنڈیشنڈ ،اپنی اسٹاف کالونی، لیبر کالونی، سیکورٹی اسٹاف اور اپنے بینڈ کے سبب ایک خاص اہمیت کا حامل تھا۔جس میں مل انتظامیہ کی جانب سے ۱۱ محرم کی شام کو ایک مرکزی مجلس عزا منعقد ہوتی تھی۔بعد ازاں یہ مل وڈیرہ ذہنیت اور مذموم سیاست کی بھینٹ چڑھ گیا اور آج وہاں ویرانگی کا ڈیرہ ہے۔

اس کے ساتھ ہی خیر پور کے محلہ علی مراد میں جہاں سندھ کے دو سابق وزرائے اعلیٰ جناب قائم علی شاہ اور جناب غوث علی شاہ مقیم ہیں، جناب امیر عباس زیدی مرحوم کے ہاں سالانہ عشرہ ثانی کی مجالس عزا منعقد ہوتی تھیں جن میں پاکستان کے نامور علما اور خطیب ذاکری کے فرائض انجام دیتے تھے۔محلہ علی مراد کے امام بارگاہ میں اب بھی مرکزی مجالس عزا منعقد ہوتی ہیں جن میں ہزاروں کی تعداد میں عزادار شرکت کرتے ہیں۔

اس کے علاوہ ہزہائی نس میر علی مراد خان تالپور کے محل فیض محل میں ہر سال تین مجالس عزا منعقد ہوتی تھیں۔جن سے علامہ رشید ترابی مرحوم خطاب فرماتے تھے۔واضح رہے کہ ہزہائی نس میر علی مراد خان تالپور علامہ رشید ترابی مرحوم کے داماد ہیں۔

میں یہاں پر خیر پور کی عزاداری کے حوالے سے جناب امیر محمد خان راجہ صاحب محمود آباد کا تذکرہ بھی کروں گا۔راجہ صاحب محمود آباد چار یا پانچ مرتبہ خیر پور تشریف لائے اور یہاں مجالس اور جلوس عزا میں شرکت کے ساتھ ساتھ مجالس عزا میں



مرثیہ تحت اللفظ بھی پڑھا۔خیر پور کے حوالے سے راجہ صاحب محمود آباد کے تین واقعات تحریر کروں گا جس سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ راجہ صاحب محمود آباد بھی ایک ریاست کے والی ہونے کے باوجود نہایت سادہ طبیعت ،صاحب تقویٰ اور ایک بامعرفت پیروِ اہلبیتؑ تھے۔۸ محرم کو خیر پور میں جلوس عزا کے دوران چھتری کے مقام پر تقریر ہو رہی تھی کہ میرے ایک دوست جناب آقا حسین میرے پاس آئے اور کہا کہ یہ کون صاحب ہیں جو برہنہ پا کھڑے ہیں اور اُن کے چاروں جانب کمشنر خیر پور ،ڈی آئی جی اور اعلیٰ افسران نہایت ادب سے کھڑے ہیں۔میں نے اُن کو بتایا کہ یہ جناب امیر محمد خان راجہ صاحب محمود آباد ہیں۔اس کے علاوہ ایک مرتبہ دوران محرم محلہ لقمان میں مجلس عزا میں شرکت کے لیے تشریف لائے وہاں جناب روشن علی کے مکان میں جناب ضمیر حسین مرثیہ تحت اللفظ پڑھ رہے تھے،مکان عزاداروں سے بھرا ہوا تھا صرف باہر کی جانب جہاں عزاداروں کے جوتے پڑے ہوئے تھے کچھ جگہ خالی تھی، گرمی کا یہ عالم تھا کہ درجہ حرارت تقریباً ۴۷ ڈگری تھا،اسی دوران راجہ صاحب وہاں تشریف لائے،آپ کے ساتھ علاقے کے معززین بھی تھے،جنہوں نے چاہا کہ راجہ صاحب کو مکان کے اندر لے چلیں لیکن راجہ صاحب نے انکار کر دیا اور وہیں سورج کی تپش سے تپتے ہوئے جوتوں پر بیٹھ کر مجلس سنی۔

راجہ صاحب سے متعلق تیسرا واقعہ یہ ہے کہ خیر پور کی ریاست کے اُس وقت کے ڈی آئی جی جناب سرائی امداد علی کا انتقال ہوا تو اُن کی بیوہ مرحوم کی میت کو لے کر کربلائے معلیٰ کے لیے روانہ ہوئیں۔اُس وقت آج کل کی طرح کمرشل بنیادوں پر قافلے نہیں جاتے تھے بلکہ کچھ افراد مل کر قافلہ تشکیل دیتے تھے اور اُس میں ہی کسی ایک کو قافلے کا سربراہ بنالیتے تھے۔اس طرح اس قافلے کے سربراہ محلہ

لقمان سے تعلق رکھنے والے جناب حکیم محمد ممتحن تھے۔انہوں نے بتایا کہ ہم لوگ
کربلائے معلی میں ایک مسافر خانے میں مقیم تھے کہ ایک مرتبہ جناب سرائی امداد
علی مرحوم کی بیوہ رات کو حرم امام حسینؑ سے واپس نہیں آئیں جس پر سب کو تشویش
ہوئی،آخر جب دوسرے دن سرائی امداد علی کی بیوہ مسافر خانے میں تشریف لائیں
تو جناب حکیم محمد ممتحن نے اپنی بیگم سے کہا کہ معلوم کریں کہ کیا وجہ تھی کہ آپ رات
تشریف نہ لاسکیں۔معلوم کرنے پر بیوہ سرائی امداد علی نے بتایا کہ میرے پاس
پیسے ختم ہوگئے تھے میں ایک صاحب عزت گھرانے کی عورت ہوں اس لیے میری
ہمت نہیں پڑی کہ میں آپ لوگوں سے پیسے مانگوں۔اس لیے میں نے رات کو
روضہ امام حسینؑ میں ہی قیام کیا اور مولاؑ سے فریاد کی کہ مولاؑ میری اس مشکل کو حل کیجیئے
۔بیوہ سرائی امداد علی نے بتایا کہ رات کے پچھلے پہر کا وقت تھا کہ ایک صاحب
میرے پاس آئے اور ایک تھیلی دیتے ہوئے کہا کہ یہ رقم آپ لے لیں۔میں نے
ان سے کہا کہ آپ کون ہیں اور یہ رقم آپ مجھے کیوں دے رہے ہیں۔انہوں
نے کہا کہ آپ جن سے مدد مانگ رہی تھیں انہوں نے ہی مجھے حکم دیا ہے کہ یہ
رقم آپ تک پہنچاؤں۔بیگم سرائی امداد علی نے کہا کہ یہ رقم میں آپ سے لے
لوں گی لیکن آپ پہلے اپنی شناخت کرائیں،ان صاحب نے اپنی شناخت ظاہر
کرنے سے انکار کیا تو بیگم سرائی امداد علی نے ضریح امام حسینؑ کی جانب اشارہ
کرتے ہوئے کہا آپ کو ان صاحب ضریح کا واسطہ اپنا تعارف کرائیں تب اُن
صاحب نے کہا کہ مجھے امیر محمد خان کہتے ہیں۔اب آپ دیکھیئے کہ یہ دُنیا اہلبیتؑ
کے حقیقی غلاموں سے خالی نہیں لیکن ہم اُن کا ادراک نہیں کر پاتے۔واضح رہے
راجہ صاحب محمود آباد نے کربلائے معلی میں ایک مسافر خانہ بھی تعمیر کرایا تھا جو غالباً



اب بھی قائم ہے جہاں کسی سے کوئی رقم نہیں لی جاتی۔

## شیعہ دشمنی کے اسباب

یہاں اس بات کا تذکرہ کرنا بھی ضروری ہے کہ جب نواسہ رسولؐ امام حسینؑ اور
ان کے عزیز و اقارب کو قتل اور آلِ رسولؐ کو قیدی بنانے والوں، خانہ کعبہ کو نذرِ آتش
مسجدِ نبوی کو گھوڑوں کا اصطبل اور ہزاروں اور لاکھوں افراد کو بے گناہ قتل کرنے والوں کو
اسلام کا ہیرو اور جنت کا حقدار بنا کر مدرسوں میں تعلیم دی گئی تو اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان
مدرسوں میں تعلیم پانے والوں نے پاکستان سمیت دنیا بھر میں سیکڑوں مساجد اور انبیاء و
اولیاء اور اصحابِ رسولؐ کے مزارات کو بموں سے تباہ اور ہزاروں نمازیوں اور شہریوں کو
ثواب کا کام اور جنت کے حصول کا ذریعہ سمجھتے ہوئے شہید کردیا۔سانحہ ٹھیڑی بھی ایسی
ہی تعلیم کا نتیجہ تھا اس لیے عوام کا فرض ہے کہ وہ اپنے بچوں کو ایسے مدرسوں میں نہ بھیجیں
کہ جہاں اسلام کے نام پر اسلام دشمن اور انسانیت دشمن تعلیم دی جاتی ہوں۔

## مکتب اہلبیتؑ کی تعلیم کردہ رواداری:۔

دشمنی اہلبیتؑ رکھنے والے بدکردار حکمرانوں کے مقابلے پر آپ خیرپور کے والیٔ
ریاست میر علی مراد خان تالپور کو دیکھئے کہ جو عدل و انصاف اور تقویٰ و پرہیزگاری کا پیکر
تھے۔آپ کے تقویٰ و پرہیزگاری کا عالم یہ تھا کہ ایک مرتبہ جب آپ بڑے عَلم امام بارگاہ
کی تعمیر کے کام کا جائزہ لینے کے لیے امام بارگاہ پہنچے تو دیکھا کہ امام بارگاہ میں نقش و نگاری
کرنے والا ایک کاریگر چرس پی رہا تھا،آپ نے اُس پر ناراضگی کا اظہار کیا اور اُس
کاریگر کے کئیے ہوئے کام کو تڑوا کر دوبارہ دوسرے کاریگر سے وہ کام کرایا جبکہ اُس وقت
تک اس تعمیر پر کافی خرچ ہوچکا تھا۔یہ آپ کی اہلبیتؑ سے معرفت و عقیدت کا ہی اثر تھا

کہ محبت اہلبیتؑ وہاں کے عوام کے دلوں میں بھی راسخ ہو چکی تھی۔

اب تعلیم کے حوالے سے میں خیرپور کا تذکرہ کرتے ہوئے عرض کروں گا کہ والی ریاست کے درِ باب علم سے وابستہ ہونے کے سبب خیرپور ہمیشہ علم کا گہوارہ رہا۔ ۱۹۵۰ء کی دہائی میں تقریباً ۱۰۰/ایکڑ رقبہ پر وسیع وعریض عمارت اور پلے گراؤنڈ کے ساتھ ایک جدید اور انتہائی خوبصورت عمارت ناز ہائی اسکول کے نام سے قائم ہوئی جس کی بالائی منزل میں ممتاز کالج کے نام سے کالج قائم تھا۔ اس کے علاوہ اسکول کے قریب ہی ۴۰ ایکڑ رقبے پر ایک جدید عمارت کرنل شاہ ہوسٹل کے نام سے قائم تھی۔ اس کے علاوہ لڑکیوں کے لیے علیحدہ ایک گرلز اسکول قائم تھا۔ بعدازاں خیرپور میں خیرپور کالج آف ویمن کے نام سے گرلز کالج کا قیام عمل میں آیا۔ جس کو صحیح خطوط پر چلانے اور ترقی دینے میں کالج کی پرنسپل محلہ لقمان کی رہائشی محترمہ مستجاب زہرا کا بہت بڑا حصہ ہے۔ جو کہ بعدازاں کراچی میں جوائنٹ سیکریٹری محکمہ تعلیم کی حیثیت سے ریٹائر ہوئیں۔ اس کے علاوہ گورنمنٹ پولی ٹیکنیک کالج کے نام سے ایک کالج بھی قائم ہوا۔ اس کے ساتھ ہی خیرپور میں چھتری کے مقام پر جناب ہادی بخش لاڑک کی بلڈنگ میں قائم کمرشل ٹائپ رائٹنگ انسٹیٹیوٹ بھی بہت اہمیت کا حامل رہا۔ کیونکہ غالباً یہ پاکستان کا واحد ٹائپ رائٹنگ اور شارٹ ہنڈ انسٹیٹیوٹ تھا۔ جہاں کے فارغ التحصیل طلبا بعدازاں ڈپٹی سکریٹری، سکریٹری عدلیہ کے اعلیٰ منصب اور وزارت کے عہدے پر بھی فائز رہے۔ یہ ٹائپ رائٹنگ انسٹیٹیوٹ میرے والد سید محمد رضا زیدی نے ۱۹۶۰ میں قائم کیا تھا۔ جن کی بعدازاں ۱۹۷۸ میں کراچی منتقلی کے بعد میرے ماموں سید آباد حسین زیدی کی نگرانی میں ۲۰۱۳ تک قائم رہا۔ اس طرح تعلیم کے حوالے سے خیرپور علم و دانش رکھنے والوں کا شہر تھا۔ جہاں ملک کے مایہ ناز ماہرین تعلیم نے بھی خدمات انجام دیں۔ جن میں ایک بہت بڑا نام



پروفیسر کرار حسین کا ہے جو کہ ۱۹۶۰ء میں ممتاز کالج خیرپور کے پرنسپل بنے اور غالباً دو سال اپنی فیملی کے ہمراہ خیرپور میں قیام پذیر رہے، اس دوران ملک کی سماجی اور مذہبی حوالے سے تعلق رکھنے والی معروف شخصیت پروفیسر شائستہ زیدی بھی اپنے والد کے ہمراہ کچھ عرصہ خیرپور میں قیام پذیر رہیں۔

اس کے علاوہ تعلیم کے شعبے میں جامع ملیہ کالج ملیر میں پرنسپل کے عہدے پر فائز رہتے ہوئے شہادت پانے والے جناب ظفر مہدی کا تعلق بھی محلہ لقمان خیرپور سے تھا۔ تعلیم کے شعبے میں ہی جناب اقرار حسین زیدی گورنمنٹ کالج نبی باغ کراچی میں پرنسپل کے عہدے سے ریٹائر ہوئے۔ سندھ میڈیکل کالج کے پرنسپل جناب شبیہہ الحسنین زیدی کا تعلق بھی خیرپور سے تھا۔

ناز ہائی اسکول کے ہیڈ ماسٹرز میں جناب یاسین قریشی اور جناب پناہ علی شاہ کا شمار قابل ترین ہیڈ ماسٹرز میں ہوتا تھا۔ جناب پناہ علی شاہ بعدازاں سکریٹری ایجوکیشن کے عہدے سے ریٹائر ہوئے۔ جناب یاسین قریشی کی ماہر تعلیم ہونے کے علاوہ ایک خصوصیت یہ بھی رہی کہ وہ ٹھیڑی میں شہادت پانے والے جناب محمد عقیل کے زمانے طالب علمی سے اُن کی ناز ہائی اسکول میں بحیثیت ٹیچر ملازمت دلانے تک اور بحیثیت اسپورٹس انچارج جناب محمد عقیل کی خیرپور ڈویژن کی ہاکی ٹیم میں شمولیت کرانے تک ان کے ہر طرح معاون و مددگار رہے۔ مجھے وہ وقت بھی یاد ہے کہ جب جناب یاسین قریشی جناب محمد عقیل کی شہادت کے بعد ان کے گھر تعزیت کے لیے تشریف لائے تو ان کی آنکھوں سے آنسوں کی لڑیاں رواں تھیں۔

## خیر پور کا سماجی ماحول

اس کے علاوہ سماجی حوالے سے بھی خیر پور ایک اہم مقام کا حامل رہا۔ خیر پور میں ہر سال ایک کُل پاکستان نمائش لگتی تھی۔ جس میں کُل پاکستان مشاعرہ بھی منعقد ہوتا تھا۔ عموماً جس کی صدارت استاد قمر جلالوی کرتے تھے۔ اس کے علاوہ جناب ساحر قزلباش تین سے چار سال ڈائریکٹر ایکسائز اینڈ ٹیکسیشن کی حیثیت سے خیر پور میں تعینات رہے، ادبی مزاج کے حامل ہونے کے ناطے وہ بھی خیر پور میں اکثر و بیشتر مشاعرے منعقد کراتے تھے جن میں دو سے تین مرتبہ جناب جوش ملیح آبادی نے بھی شرکت کی۔

اس کے علاوہ جب ۱۹۶۳ء کے سانحہ ٹھیڑی کے بعد جناب مصطفی زیدی بحیثیت ڈپٹی کمشنر خیر پور تعینات ہوئے تو آپ کی دعوت پر جناب جوش ملیح آبادی خیر پور تشریف لائے اور آپ نے جوش صاحب کے سامنے اپنا کلام پڑھا، اُس وقت اسٹیج سے جناب مصطفی زیدی کو جوش صاحب کا شاگرد کہہ کر مدعو کیا گیا۔

## کھیل کے میدان میں

اس کے ساتھ ہی کھیلوں کے حوالے سے بھی خیر پور ایک منفرد مقام کا حامل تھا۔ لیکن ہاکی خیر پور کا ایک طرح کا قومی کھیل تھا جس کی وجہ سے اس چھوٹے سے شہر میں ہاکی کی تقریباً دس سے بارہ ٹیمیں تھیں۔ خیر پور میں کئی مرتبہ کُل پاکستان ہاکی ٹورنامنٹ ہوئے جس میں پاکستان کی تمام مشہور و معروف ٹیمیں جن میں بین الاقوامی کھلاڑی بھی شامل ہوتے تھے حصہ لیتی تھیں۔ ایک مرتبہ غالباً ۱۹۵۸ـ۵۹ء میں جرمنی کی ہاکی ٹیم خیر پور آئی تو خیر پور میں ممتاز ہاکی گراؤنڈ کے گراسی گراؤنڈ پر



خیر پور کی ٹیم نے جرمنی کی قومی ہاکی ٹیم کو بہ آسانی تین گول سے ہرا دیا۔ خیر پور کی ہاکی ٹیم اُس وقت اور نمایاں ہو جاتی تھی جب خیر پور سے باہر اپنے دورہ کے درمیان اپنے روم میں مجلس عزا کا انعقاد کرتی تھی۔

خیر پور کی ہاکی ٹیم کے اُس وقت کے مایہ ناز کھلاڑیوں میں سینٹر ہاف کی پوزیشن پر کھیلنے والے جناب وجاہت حسین، گول کیپر جناب کاظم حسین عرف کجو، سینٹر فارورڈ جناب ظہیر حیدر، لفٹنٹ اعتماد حسین عرف اتن جنہوں نے ایک مرتبہ پاکستان کی قومی ٹیم میں سلیکشن کے لیے منعقدہ ہاکی کیمپ بھی اٹینڈ کیا۔ کے علاوہ ٹھیڑی میں شہید ہونے والے محمد عقیل جو کہ لیفٹ آؤٹ کی پوزیشن پر کھیلتے تھے اور لیفٹ ان جناب علی حسنین شامل ہیں۔ جنہوں نے خیر پور کی ہاکی ٹیم کی جانب سے کھیلتے ہوئے پاک آرمی کی ٹیم کے خلاف گول اسکور کیا اور بعد ازاں پاک آرمی جوائن کر کے کرنل کے عہدے سے ریٹائر ہوئے۔

خیر پور کے سماجی ماحول کا اس سے بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ۱۹۶۲ میں نیاز اسٹیڈیم خیر پور آل پاکستان والی بال ٹورنامنٹ منعقد ہوئے جس میں بیرون ملک سے ایران کی قومی والی بال ٹیم نے بطورِ مہمان ٹیم شرکت کی۔

## مذہبی ادارے اور شخصیات

مذہبی تعلیم کے حوالے سے بھی خیر پور کی سرزمین زرخیز رہی جس کی وجہ وہاں قائم مدرسہ سلطان المدارس تھا۔ جس کو علمی لحاظ سے اعلیٰ مقام دلانے میں اُس وقت کے مدرسے کے سربراہ جناب قاسم حسین کا بڑا حصہ تھا، مرحوم کا شمار پاکستان کے جید علماء میں ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ جناب شبیہ الحسنین محمدی مایہ ناز خطیب تھے، ساتھ ہی مولانا سبطین صاحب بہترین مقرر تھے، مولانا سبطین، مرحوم علامہ عرفان حیدر عابدی جن کا

تعلق بھی محلہ لقمان خیر پور سے تھا کے استاد اور خالو تھے، پروفیسر علی رضا شاہ نقوی کا تعلق بھی خیر پور سے تھا جو کہ پاکستان کے جید عالم دین پروفیسر عنایت علی شاہ کے فرزند تھے۔ جناب فرقان حیدر عابدی، علامہ شہنشاہ نقوی اور علامہ عون محمد نقوی بھی خیر پور سے تعلق رکھتے ہیں۔اس کے علاوہ مولانا امیر عباس زیدی بھی خیر پور سے تعقل رکھتے تھے جو کراچی آنے کے بعد 36-B لانڈھی کی مرکزی مسجد کے پیش امام رہے، مرحوم عالم باعمل اور بہترین مقرر تھے۔اس کے علاوہ ڈپٹی اسپیکر سندھ اسمبلی محترمہ شہلا رضا کے نانا ڈاکٹر وجیہ الحسنین کا تعلق بھی خیر پور سے تھا۔جو کہ مشہور سماجی اور مذہبی شخصیت ہونے کے ساتھ ساتھ بہترین مقرر بھی تھے اور ہر سال ۹ محرم کو محلہ علی مراد میں سالانہ مجلس عزا سے خطاب کرتے تھے۔

برصغیر کے بزرگ و معروف مرثیہ نگار جناب نسیم امروہوی کا تعلق بھی خیر پور سے تھا مرحوم ہر سال ۴ محرم کو انجمن اصغریہ لقمان کی مرکزی مجلس عزا میں اپنا مرثیہ نو تصنیف پڑھا کرتے تھے۔آپ نے خیر پور سے سندھی اور اردو اخبار کا اجراء کیا، متعدد کتب تصنیف کیں، آپ ہی کی تصنیف کردہ نسیم اردو کورس میں شامل تھی اور پہلی کلاس سے پانچویں کلاس تک پڑھائی جاتی تھی۔اس کے علاوہ سندھی زبان میں قرآن کے ترجمے کا آغاز کیا جو مکمل نہ ہو سکا۔آپ بعد ازاں کراچی منتقل ہو گئے جہاں آپ کے فرزند جناب قیسم امروہوی مرثیہ نویسی میں اپنے والد کی یاد کو تازہ رکھے ہوئے ہیں۔خیر پور کے شعرا میں ایک بڑا نام جناب یکتا امروہوی کا بھی تھا۔یکتا امروہوی کی متعدد تصانیف ہیں جو شائع ہوئیں۔

مرثیہ خوانی میں خیر پور کے ہی رہائشی جناب عظیم الحسن بین الاقوامی شہرت کے حامل تھے۔مرثیہ خوانی کے حوالے سے ہی محلہ لقمان کے جناب وصی احمد کو بلبل سندھ



کہا جاتا ہے۔مرحوم مندرجہ ذیل سوز جس انداز سے پڑھتے تھے وہ حقیقتاً آپ ہی کا حق تھا۔

شور تھا شام کے لشکر میں کہ عباسؑ آئے
اور تواتر خبر آئی کہ بہت پاس آئے
پر غمِ شاہِ شہیداں سے بصد یاس آئے
بولی تقدیر کہ یہ جنگ انہیں راس آئے
بڑھ کے گھوڑے کا شجاعت نے قدم چوم لیا
فتح نے گوشۂ دامانِ عَلم چوم لیا
ہو گیا فوجِ شقاوت میں طلاتم برپا
پسرِ سعد سے سردار نے جا کر پوچھا
کس کی آمد ہے کہ لشکر تہہ و بالا ہے تیرا
پیٹ کر زانو کو یہ سعد کے بیٹے نے کہا
دیکھ لو وہ پسرِ حیدرؑ کرار آیا
مرگِ نو سب کو مبارک کہ عَلم دار آیا
واہ کس شان سے سقائے حرم آتا ہے
معرکے میں کوئی اس طرح سے کم آتا ہے
کیا دکھاتا ہوا اقبال و حشم آتا ہے
کیا اُڑاتا ہوا دامانِ عَلم آتا ہے
حُسن ایسا ہے کہ ایک روح مزا پاتی ہے
رعب ایسا ہے کہ بس جان چلی جاتی ہے

موجودہ نسل کے مشہور شعرا میں جناب ظفر عباس ظفر اور سہیل عباس کا تعلق بھی

خیر پور سے ہے۔تحت اللفظ مرثیہ خوانی کے حوالے سے بھی ایک بڑا نام جناب اسد حسین کا تھا جو کہ کئی کتابوں کے مصنف محمد علی سید کے والد تھے۔اس کے علاوہ محلہ لقمان کے جناب مہدی صاحب بھی تحت اللفظ مرثیہ پڑھنے میں اپنا ایک خاص مقام رکھتے تھے۔مشہور نوحہ خواں جناب مختار شیدی اور جناب رضا عباس کا تعلق بھی خیر پور سے ہے ساتھ ہی محلہ لقمان کے جناب مظہر حسین رضوی عرف ننھے میاں اور جناب عزیز الحسن کا شمار بھی مشہور نوحہ خوانوں میں ہوتا ہے۔اس کے علاوہ مشہور ذاکر جناب منظور حسین سولنگی کا تعلق بھی خیر پور سے ہے۔

## معرفت

میں یہاں خیر پور کے مومنین کے عشق اہلبیتؑ اور عزاداری سید الشہد اعلیہ السلام سے حقیقی رابطہ رکھنے سے متعلق دو واقعات پیش کروں گا۔پہلا یہ ہے کہ محلہ لقمان میں رہائش پذیر ڈی۔ایس۔پی جناب منیر حسین کے جواں سال بیٹے ڈاکٹر خلیل حسین کا امریکہ میں انتقال ہوا۔اوران کی وفات کی بذریعہ ٹیلی گرام اطلاع اس وقت ان کو ملی کہ جب وہ حسبِ دستور مُنشی رفیق حسین مرحوم کے امام بارگاہ میں عشرہ محرم کے سلسلے میں منعقد ہونے والی مجلس عزا میں سلام بحضورِ شہدائے کربلاؑ پڑھنے کے لیے جا رہے تھے۔جناب منیر حسین امام بارگاہ تشریف لائے لیکن اپنے بیٹے کے غم کو غمِ شہدائے کربلا پر فوقیت نہ دیتے ہوئے وہاں موجود کسی شخص پر بھی اپنے بیٹے کی موت کی اطلاع کو آشکار نہ کیا۔مجلس میں سلام پڑھا اور پھر بعدِ ختم مجلس مومنین کو اپنے بیٹے کی وفات کی اطلاع سے آگاہ کیا۔

دوسرا واقعہ جناب سید احمد رضا عرف پیر جی سے متعلق ہے مرحوم عشرہ محرم کے دوران محلہ لقمان میں صبح ۶ بجے سے رات ایک بجے تک منعقدہ مجالس میں سے ۶ مجالس میں



ذاکری کے فرائض انجام دیتے تھے۔مرحوم کے پاس مصائبِ کربلا سے متعلق کسی کتاب کے دو صفحات تھے جو وہ صبح سے رات تک منعقد ہونے والی مجالس میں ۶ مقامات پر پڑھتے تھے اور مومنین نہایت عقیدت و احترام سے سنتے اور گریہ کرتے تھے۔میں نے بھی مرحوم سے یہ دو صفحات مسلسل دس سال تک مجالس مین سُنے اور کبھی یہ احساس نہ ہوا کہ یہ وہی دو صفحات ہیں کہ جو یہ ہر مجلس میں مسلسل دہرا رہے ہیں۔یہ بات جہاں ایک جانب اہلبیتؑ اور شہدائے کربلا سے حقیقی عشق کی عکاس ہے وہیں اس بات کو بھی عیاں کرتی ہے کہ عزاداریِ سید الشہداؑ کسی خطیب کے زورِ بیان اور خطابت کی محتاج نہیں۔

## شعراء کی سرگرمیاں

خیر پور کے مومنین کے عشقِ اہلبیتؑ کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ خیر پور کے محلہ لقمان میں بزم انیس کے نام سے ایک ادارہ قائم تھا جس کے تحت ہر ہفتے کی شب کسی نہ کسی مومن کے گھر محفلِ مسالمہ منعقد ہوتی تھی۔جس میں مقامی شعرا شرکت کرتے تھے ان مقامی شعرا میں جناب اکبر حسین اور جناب رہبر ہاشمی نے لقمان کے مذہبی ماحول سے متاثر ہو کر شیعہ مسلک قبول کیا تھا۔اس کے علاوہ شعرا میں ایک بڑا نام جناب توسل حسین عرف قمر میرٹھی کا تھا جنہیں اُستاد کے لقب سے بھی یاد کیا جاتا تھا۔سانحہ ٹھیڑی کے بعد جناب قمر میرٹھی کا کہا ہوا مندرجہ ذیل قطعہ زبانِ زدعام ہوا۔

کاٹے گئے ہیں جب کبھی ساداتِ کے گلے<br>
تاریخ کہہ رہی ہے مسلماں کے ہاتھ سے<br>
ہم نے پیا ہے جام شہادت جہاں کہیں<br>
یہ ناز ہے کہ حافظِ قرآں کے ہاتھ سے

## مٹی سے محبت

یہ خیر پور کے مومنین کا اپنی مٹی سے محبت کا ثبوت ہے کہ ہر سال ۲۱ صفر کو محلہ لقمان خیر پور میں چہلم امام حسینؑ کے جلوسِ عزاداری میں شرکت کے لیے خیر پور کے کراچی میں رہائش پذیر ہزاروں کی تعداد میں مومنین خیر پور جاتے ہیں۔جس میں ان کے ہمراہ کراچی کے مومنین کی بھی ایک بڑی تعداد ہوتی ہے۔اس طرح یہ سلسلہ گزشتہ ۵۰ سالوں سے جاری ہے اور انشا اللہ تا قیامت جاری رہے گا۔اس کے علاوہ محلہ لقمان کے کراچی منتقل ہونے والے نوجوانوں نے باب الحوائج کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا ہے جس کے اراکین ہر سال تین جون ۱۹۶۳ء کو گنج شہیداں لقمان میں شہدائے ٹھیڑی کی برسی کے حوالے سے ایک مجلسِ عزا کا انعقاد کرتے ہیں جس سے جید علمائے کرام خطاب فرماتے ہیں اور خیر پور اور لقمان کی ماتمی انجمنوں کے علاوہ قرب وجوار کی ماتمی انجمنیں بھی بڑی تعداد میں شرکت کرتی ہیں۔

## سیاسی اور سماجی نمائندگی

سیاسی لحاظ سے بھی خیر پور ایک اہم مقام کا حامل ہے۔سندھ کے دو سابق وزیر اعلیٰ جناب قائم علی شاہ اور جناب غوث علی شاہ کا تعلق بھی خیر پور سے رہا۔جناب غوث علی شاہ سندھ کے وزیر اعلیٰ کے علاوہ صوبائی وزیر تعلیم اور وزیر دفاع بھی رہے۔جناب غوث علی شاہ اگر ایام محرم میں کراچی میں ہوتے تھے تو بغیر پروٹوکول کے مرکزی جلوس عزا میں شریک ہوتے تھے۔جناب پرویز علی شاہ جو کہ سندھ کے سینئر منسٹر رہے، کا تعلق بھی خیر پور سے ہے جناب پرویز علی شاہ کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ جب



فرزند آیت اللہ روح اللہ خمینیؒ جناب احمد خمینی پاکستان تشریف لائے تو کراچی کی ایک تقریب میں جناب پرویز علی شاہ نے ان کی میزبانی کے فرائض انجام دیئے۔اس کے علاوہ جوڈیشری کے حوالے سے سابق جج سپریم کورٹ جناب اسلم جعفری، سابق جج سپریم کورٹ جناب زوار جعفری، سابق ٹربیونل جج جناب حسن امام رضوی کا تعلق بھی خیر پور سے ہے۔ اس کے ساتھ ہی ایڈمنسٹریٹو لحاظ سے سیکریٹری، ڈپٹی سیکریٹری، ریلوے، پولیس اور دیگر انتظامی عہدوں پر خیر پور کے شہریوں کی ایک بڑی تعداد تعینات ہے۔جن میں ایک بڑا نام مرحوم سردار شاہ کا ہے جو ڈیژنل سپرنڈنٹ ریلوے کراچی بھی رہے۔

محلہ لقمان خیر پور کے جناب اختر حسین کراچی الیکٹرک سپلائی کارپوریشن کے چیرمین کے عہدے پر فائز رہے۔اس کے ساتھ ہی سماجی اور محکمہ اطلاعات کے شعبے کے حوالے سے خیر پور کی مشہور سماجی شخصیت جناب ناظر عباس جو کہ میرے خالو بھی تھے کا تذکرہ نہ کرنا ناانصافی ہوگی۔جناب ناظر عباس نے بحیثیت پبلک ریلیشنز آفیسر وزیر عبدالوحید کٹپر، دوست محمد فیضی، بدیع الحسن زیدی اور جسٹس نعیم الدین کے ساتھ اپنی زندگی کا بڑا حصہ گزارا۔اس کے علاوہ ان کو ملک کی نامور شخصیتوں ایوب خان، ذوالفقار علی بھٹو، اصغر خان، یحییٰ خان اور راجہ صاحب محمود جیسی عظیم شخصیت کے قریب رہنے اور ان کی میزبانی کے انتظامات کرنے کا شرف حاصل ہوا۔مجھے حکومتی اعلیٰ عہدیداروں کی بہت سی ایسی معلومات جو کہ آف دی ریکارڈ اور کتابوں کا حصہ نہیں ہیں ان کے ذریعے جاننے کا موقع ملا۔مرحوم بطور اسسٹنٹ ڈائریکٹر انفارمیشن ریٹائر ہوئے۔

حکومت پاکستان کے مرکزی سیکریٹریٹ میں بھی خیر پور کے حضرات اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے جن میں جناب ذکی حیدر ڈپٹی سکریٹری جناب رفیق الحسن

باقری، ڈائرکٹر جنرل سائنس فاونڈیشن اور جناب فردوس عالم جوائنٹ سکریٹری کےعہدوں پر فائز رہے۔ واضح رہے کہ ان تینوں حضرات نے اسلام آباد میں قیام کے دوران ذاکری کے فرائض بھی انجام دیے جناب فردوس عالم اسلام آباد میں اب بھی یہ خدمت انجام دے رہے ہیں۔

## فوج میں نمائندگی

یہاں پر یہ تذکرہ بھی بے جا نہ ہوگا کہ فوج کے حوالے سے بھی خیر پور کی سرزمین بہت ذرخیز رہی کرنل علی حسنین اور میجر یامین قریشی کے علاوہ اسکوڑن لیڈر جناب مہدی رضا اسکوڑن لیڈر جناب انجم زیدی، کمانڈر جناب سید اظہار حسین زیدی، کمانڈر جاوید پاشا، میجر عبدالرحمن، میجر افتخار حسین تاری، کیپٹن منظر حسین اور برگیڈئر جناب غیور حسین زیدی کا تعلق بھی خیر پور سے تھا واضح رہے کہ بریگیڈئر جناب غیور حسین زیدی فوج میں اُس وقت کرنل کے عہدے پر فائز تھے جب پوری پاکستانی فوج میں صرف 110 کرنل تھے۔ میرے والد بھی جب ہیڈ کلرک کی حیثیت سے پی۔ ڈبلیو۔ ڈی سے سندھ رینجرز پولیس میں ڈیپوٹیشن پر گئے تو وہاں ان کو صوبیدار میجر کا رینک ملا۔ اس کے علاوہ خیر پور کی ایک مشہور سماجی اور مذہبی شخصیت جناب علی عباس کا تعلق بھی سندھ رینجرز پولیس سے تھا۔ واضح رہے کہ اس وقت رینجرز کو سندھ میں S.P.R یعنی سندھ رینجرز پولیس کہا جاتا تھا۔

## خیر پور کے پانی کا اثر

لیکن خیر پور شہر کی ایک بہت بڑی خوبی وہاں کے لوگوں کا ایک دوسرے کے



لیے احترام اور ہمدردی ہے، یہ خیر پور کے افراد کا ایک دوسرے کے لیے جذبہ ہمدردی ولایت علیؑ کی محبت میں ڈوبی ہوئی سرزمین کے پانی کا اثر ہے۔ کیونکہ یہاں سندھی مہاجر اور سنی شیعہ کی شرط نہیں بس شرط ہے تو یہ کہ آپ کا تعلق خیر پور سے ہے۔ تو پھر امیر غریب چھوٹے بڑے اور عہدے و منصب کی حیثیت ختم ہو جاتی ہے۔

آپ اسے خیر پور کے پانی کا اثر نہیں تو اور کیا کہیں گے کہ پاکستان کے دو مشہور بیوروکریٹ جناب پرویز احمد بٹ اور جناب دربار علی شاہ بالترتیب ڈپٹی کمشنر اور کمشنر کی حیثیت سے تقریباً دو سال کے عرصے تک خیر پور میں تعینات رہے اور جب بعدِ ازاں جناب پرویز احمد بٹ کراچی الیکٹرک سپلائی کارپوریشن کے چیئرمین اور جناب دربار علی شاہ کمشنر کراچی بنے تو ان کے دروازے خیر پور کے حضرات کے لیے کھلے رہتے تھے اور اہالیان خیر پور کو ان سے ملنے کے لیے کسی پیشگی اجازت کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ ایک مرتبہ محلہ لقمان خیر پور کے جناب ریاض حیدر نے کمشنر کراچی جناب دربار علی شاہ سے ملاقات کی اور ان سے درخواست کی کہ انہیں اے۔ ایس۔ آئی۔ بھرتی کرا دیں تو جناب دربار علی شاہ نے اسی وقت آئی جی کو فون کیا اور وہ اے۔ ایس۔ آئی۔ تعینات ہو گئے اور پھر ڈی۔ ایس۔ پی۔ کے عہدے سے رٹائر ہوئے۔

میں اپنے پیارے محبتوں سے بھرے شہر خیر پور کا تعارف اس بات پر ختم کروں گا کہ روزگار اور تعلیم کے سلسلے میں ہزاروں افراد نقل مکانی کر کے کراچی منتقل ہو گئے لیکن آج بھی ان کی پہچان خیر پور کے حوالے سے ہوتی ہے۔ جس طرح ہمارے آباؤ اجداد کے لیے دلی اور لکھنؤ شناخت کی اہمیت رکھتے تھے اسی طرح ہماری شناخت خیر پور کے حوالے سے ہوتی ہے۔ اسی لیے ہمارے بچوں کی شادی اور بیاہ کے سلسلے میں ہمارے

حوالے دلی اور لکھنؤ کے بجائے خیر پور کے ہوتے ہیں۔

کیونکہ سرزمین خیر پور نے ایک ماں بن کر اہلبیتؑ کے پیروکاروں کو محبت وشفقت بخشی اس لئے اس کے بیٹے بھی اپنی ماں کی یادوں کو اپنے سینوں سے جدا نہیں ہونے دیتے۔ یہی وجہ ہے کہ خیر پور کی یادوں کو تازہ رکھنے کے لیے ایک عرصہ تک کراچی میں یوم عاشورا اور چہلم امام حسینؑ کے مرکزی جلوسوں میں خیر پور کے مومنین پر مشتمل ایک ماتمی دستہ نمائش چورنگی سے تبت سینٹر تک شرکت کرتا تھا اس کے علاوہ خیر پور کے جناب روشن علی شاہ ڈپٹی سکریٹری کی زیر سرپرستی خیر پور ایسوسی ایشن کے تحت رضویہ امام بارگاہ کراچی میں خمسہ مجالس عزا منعقد ہوتی تھیں جن سے پروفیسر علی رضا شاہ نقوی خطاب فرماتے تھے اور آج بھی محلہ لقمان خیر پور کے جناب امیر حسین زیدی کے ہاں نارتھ ناظم آباد کراچی میں حضرت زید شہیدؑ کے حوالے سے پہلی صفر کو سالانہ ایک مجلس عزا منعقد ہوتی ہے جس میں خیر پور اور لقمان کے مومنین کی بڑی تعداد شرکت کرتی ہے۔ اس ہی طرح محلہ لقمان خیر پور کے ہی جناب نیر حسین کاظمی کے ہاں گلشن اقبال بلاک ۱۰ میں یوم ولادت امام حسنؑ کے حوالے سے ۱۵ رمضان المبارک کی شب میں ایک محفل میلاد منعقد ہوتی ہے جس میں بھی بڑی تعداد میں اہلیان لقمان خیر پور شرکت کرتے ہیں اس کے ساتھ ہی خیر پور کے مومنین امام بارگاہ مدینۃ العلم گلشن اقبال میں ایک سالانہ مجلس عزا منعقد کرنے کا پروگرام بنا رہے ہیں۔

کچھ قارئین سوچ رہے ہوں گے کہ میں نے سانحہ ٹھیڑی کے حوالے سے خیر پور کا اس قدر تذکرہ کیوں کیا لیکن یہ اس لیے ضروری تھا کیونکہ ان تذکروں کے بغیر سانحہ ٹھیڑی کا وہ پہلو نہیں سمجھا جاسکتا تھا کہ سانحہ ٹھیڑی کوئی سنی شیعہ جنگ نہیں تھی بلکہ اس خارجی اور ناصبی سازش کا حصہ تھی کہ جو سازش آج پاکستان سے لے کر افغانستان، عراق اور شام میں آشکار ہو چکی ہے۔



خیر پور کے بین الاقوامی شہرت یافتہ شاعر جناب ظفر حسین ظفر کی خیر پور شہر سے متعلق نظم کے چند اشعار

## خیر پور

ہے آج اس کلام کا عنوان خیر پور
ہم خیر پوریوں کی ہے پہچان خیر پور
گویا ہے قلبِ وادیٔ مہران خیر پور
ہر چیز تیری مٹی پہ قربان خیر پور

تجھ کو نہ کر سکیں گے فراموش خیر پور
دیتی ہے وہ سکوں تیری آغوش خیر پور

اے خیر پور تیری بہاروں پہ ہے سلام
اے خیر پور تیری فضاؤں پہ ہے سلام
تیرے حسین نقش و نگاروں پہ ہے سلام
تیرے اُفق کے چاند ستاروں پہ ہے سلام

پردیس میں ملے جو کوئی خیر پور کا
ہوتا ہے وہ بھی وقت وسیلہ سرور کا

اے خیر پور تجھ پہ ہے اللہ کا کرم
تو نے سفید پوشوں کا رکھا ہے بھرم
ہم خیر پور آئیں تو آتا ہے دم میں دم
وہ اس لیے کہ نصب ہے اس میں بڑا عَلم

مشہور اس کی دنیا میں یہ جو کھجور ہے
اس کو کوئی مدینے سے نسبت ضرور ہے

تیری زمیں پہ سُنّی بھی مولاؑ کے ہیں غلام
کرتے ہیں ہر لحاظ سے سید کا احترام
کرتے ہیں ورد نامِ علیؑ یہ بھی صبح و شام
مہماں نوازی سندھ کے لوگوں پہ ہے تمام

یہ بھی یزید زادوں کی نسلوں سے تنگ ہیں
سندھی تو سب سے پہلے علیؑ کے ملنگ ہیں

کرتے نہیں عزا کے دنوں میں کوئی خوشی
حد سے سوا علم پہ یہ کرتے ہیں روشنی
بتلا رہی ہے ان کے عقیدوں کی پختگی
ہے خیرپوریوں کے لہو میں علیؑ علیؑ

اے خیرپور تجھ پہ ہے کرب و بلا کی چھاؤں
رہتے ہیں شیعہ ، سُنی محرم میں ننگے پاؤں

قائم رہے یہ زندہ ضمیروں کا خیرپور
ہو سُرخرو امن کے سفیروں کا خیرپور
ہر دور میں رہا ہے وزیروں کا خیرپور
سب کی پناہگاہ ہے میروں کا خیرپور

عالم ، خطیب ، شاعر و ذاکر یہ نوحہ خواں
اس خیرپور سے ہی سجی ہے یہ کہکشاں

# سانحہ ٹھیڑی

روز عاشور ۳ جون ۱۹۶۳ء پاکستان کی تاریخ کا وہ سیاہ ترین دن ہے کہ جس دن ایوب خان کے دورصدارت میں پاکستان میں 93 (پہلے ایڈیشن میں تعداد غلطی سے بجائے 93 کے 63 لکھ دی گئی تھی) مقامات پر ناخوشگوار واقعات پیش آئے، لیکن خیر پور اور لاہور یہ وہ دو شہر تھے کہ جہاں ان ہنگاموں نے شدت اختیار کی اور اس طرح خیر پور میں قیادت نہ ہونے کے سبب ۳۰۰ سے زائد عزادار شہید ہوئے جب کہ مخالفوں کا ایک فرد مارا گیا۔ لیکن لاہور میں جناب مظفر علی قزلباش کی مضبوط قیادت کے سبب ایک پیروکار اہلبیتؑ شہید ہوا جب کہ دیگر ۲۵۰ افراد مارے گئے۔

**ٹھیڑی میں عزاداروں پر حملے کی ابتداء:۔**

اس المناک سانحے سے ایک سال قبل ہی ٹھیڑی میں حالات کشیدہ ہونا شروع ہو گئے تھے کیونکہ اہالیان ٹھیڑی ٹھیڑی میں قائم مدرسے کے شدت پسند مولویوں کی غلط تبلیغات کے سبب ٹھیڑی میں یا حسینؑ کی ایک صدا بھی سُننا پسند نہیں کرتے تھے۔ اس لیے انہوں نے ۱۹۶۲ء میں روز عاشور جلوس عزا کے راستے میں آنے والے پانی کے لیے لگے ہینڈ پمپس کی تمام ہتھیاں نکال دی تھیں کیونکہ اُس وقت یہ ہینڈ پمپس ہی پانی حاصل کرنے کا واحد ذریعہ تھے اور انہوں نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا تھا بلکہ اُن ہینڈ پمپس میں مٹی کا تیل بھی ڈال دیا تھا تا کہ عزاداروں کو پانی کا ایک قطرہ بھی میسر نہ آسکے۔

روز عاشور 3 جون 1963ء جناب مہدی شاہ کے مکان میں جو کہ ٹھیڑی کی آبادی میں واحد محبِ حسینؑ ابن علیؑ کا گھر تھا صبح ۸ بجے مجلس عزا جاری تھی جس میں ٹھیڑی سے ۵



کلومیٹر کے فاصلے پر واقع قصبہ ببرلو اور خیر پور شہر کے مومنین مجلس عزا میں شریک تھے جن کی تعداد 20 سے 25 افراد سے زائد نہ تھی کہ ٹھیڑی کے 400 سے 500 مسلح افراد نے منظم منصوبہ بندی کے تحت سامعین مجلس عزا پر حملہ کر دیا جس کے نتیجے میں مالک مکان جناب مہدی شاہ مجلس عزا سے خطاب کرنے والے ذاکر اور دیگر افراد شہید و زخمی ہو گئے۔ بعد ازاں جناب مہدی شاہ کے گھر پر لگے ٹاٹ کے شامیانے اور گھر کو آگ لگا دی گئی۔

**ٹھیڑی کے عزاداروں پر حملے کی اطلاع اور اہل خیر پور کی ٹھیڑی روانگی:۔**

اس ہی دن صبح تقریباً ۱۰ بجے محلہ لقمان خیر پور میں جناب ابن حسن مرحوم کے ہوٹل کے سامنے جہاں سے دوپہر میں مرکزی امام بارگاہ لقمان سے برآمد ہونے والے جلوس کو گذرنا تھا کچھ لوگ آگ پر ماتم کرنے والوں کے لیے کوئلوں کو دہکانے میں مصروف تھے کہ خیر پور شہر کی ایک معزز اور معروف شخصیت جناب نواب سلطان جو کہ ایک برف خانے کے مالک تھے ایک تانگے میں تشریف لائے اور وہاں موجود افراد کو بتایا کہ ٹھیڑی میں مجلس عزا پر حملہ کر کے مومنین کو شہید اور زخمی کر دیا گیا ہے۔ کچھ ہی دیر میں یہ اطلاع محلہ لقمان کے شہریوں تک پہنچ گئی جو اس وقت تقریباً 1200 مکانوں پر مشتمل 6000 کے قریب آبادی کا محلہ تھا جس میں 98 فیصد شیعہ آبادی تھی۔ اہل لقمان نے طے کیا کہ وہ اس وقت تک اپنے ہاں جلوس عزا برآمد نہیں کریں گے جب تک ٹھیڑی میں جلوس عزا برآمد نہ ہو جائے۔ اسی دوران تقریباً ایک بجے مرکزی امام بارگاہ میں جلوس عاشور میں جمع ہونے والا مجمع چوک پر جمع ہونے کے لیے جناب ابن حسن کے ہوٹل کے سامنے پہنچا ہی تھا کہ جناب نسیم اختر نامی ایک صاحب نے جناب مولانا سبطین کو اپنے کاندھے پر بٹھایا اور انہوں نے مجمع سے خطاب کرنے کے لیے ابھی صرف یہی کہا تھا کہ آج پھر حُسینیتؑ اور یزیدیت کی جنگ ہے کہ مجمع جذبات سے بھرپور

ہو کر نعرہ تکبیر اور نعرہ حیدری لگاتا ہوا ٹھیڑی کی جانب روانہ ہوگیا۔ اہالیان لقمان کا کہنا تھا کہ اب وہ خود ٹھیڑی جا کر جلوس عزا برآمد کریں گے۔ یہ کوئی آسان کام نہ تھا۔ کیونکہ ٹھیڑی محلہ لقمان سے تقریباً 15، 14 کلو میٹر کے فاصلے پر واقع تھا اور تقریباً دس سے گیارہ کلو میٹر کا فاصلہ ویران اور غیر آباد تھا لیکن سخت گرمی اور روز عاشور فاقہ سے ہونے کے باوجود ہزاروں افراد پر مشتمل یہ مجمع جس میں ۱۰۔ ۹ سال کی عمر سے لے کر ۷۰۔ ۶۰ سال کی عمر کے افراد شامل تھے عشق مولاً میں ٹھیڑی کی جانب روانہ ہوگیا۔

اہالیان لقمان کو ٹھیڑی جانے کے لیے خیر پور شہر سے گذرنا تھا اب جب ۴ کلو میٹر کا فاصلہ طے کر کے اہالیان لقمان خیر پور پہنچے تو وہاں بھی مختلف محلوں سے برآمد ہونے والے جلوس عزا چھتری کے مقام پر پہنچ چکے تھے۔ اہالیان لقمان نے اہالیان خیر پور سے کہا کہ وہ بھی اُن کے ہمراہ ٹھیڑی چلیں جس پر کچھ بزرگوں نے کہا کہ ٹھیڑی نہ جائیں لیکن اہالیان لقمان نے اُن کی اس رائے سے اتفاق نہیں کیا اور ٹھیڑی کی جانب روانہ ہوگئے۔ جس کی وجہ سے اہالیان خیر پور بھی اہالیان لقمان کے ہمراہ ٹھیڑی کی جانب چل دیے۔ اس طرح تقریباً ۴ سے ۵ ہزار افراد پر مشتمل یہ جلوس ٹھیڑی کی جانب روانہ ہوگیا۔ راستے میں کچھ نوجوانوں نے اپنے دفاع کے لیے کھجی اور آم کے کے درختوں کی ٹہنیاں توڑ لیں اور ۴ سے ۵ ہزار کے اس مجمع میں صرف محلہ علی مُراد کے رہنے والے حسن عباس صاحب کے پاس ایک ریوالور تھا اور باقی تمام مجمع خالی ہاتھ تھا کیونکہ اُن کا مقصد ٹھیڑی پر حملہ کرنا نہیں بلکہ وہاں جا کر جلوس عزا برآمد کرنا تھا۔ جب کہ دوسری جانب اہالیان ٹھیڑی ڈبل بیرل گنوں، کلہاڑیوں، طبل (جو کہ کلہاڑی کے لوہے کے حصے سے تین گنا چوڑا اور بہت ہلکا اور تیز دھار ہوتا ہے) نیزے، بھالے اور اپنے مکانوں کو اندر سے بند کر کے مکانوں کی چھتوں پر اینٹیں اور پتھر ذخیرہ کیئے ہوئے موجود تھے۔



### خیر پور عزاداروں کی ٹھیڑی آمد:۔

آخر تقریباً ۳ گھنٹے کی پیدل مسافت کے بعد شام تقریباً ۵ بجے یہ مجمع ٹھیڑی پہنچ گیا جہاں ٹھیڑی قصبے میں داخل ہونے کے لیے واحد راستہ تین فٹ کی وہ تنگ گلیاں تھیں کہ جن کے مکانوں کی چھتوں سے اہل جلوس پر فائرنگ اور پتھراؤ ہو رہا تھا اور نیچے لوگ کلہاڑیاں اور طبل لیے عزاداروں پر حملہ آور تھے۔ لیکن نوجوان گولیوں اور کلہاڑیوں کے زخم کھانے کے باوجود ان تنگ گلیوں سے ہوتے ہوئے مسلسل مہدی شاہ کے مکان کی جانب بڑھ رہے تھے کہ جہاں پہنچ کر انہیں جلوس عزا برآمد کرنا تھا۔ کسمپرسی کا یہ عالم تھا کہ نہتے نوجوانوں پر فائرنگ اور حملے ہوتے دیکھ کر ٹھیڑی قصبہ کے قریب موجود تیس پینتیس پولیس والوں نے کہا کہ ہم ڈریس میں ہونے کی وجہ سے گولی نہیں چلا سکتے، آپ ہماری تھری ناٹ تھری کی یہ رائفلز لے لیں ہم کہہ دیں گے کہ مجمع نے ہم سے رائفلز چھین لی تھیں۔ لیکن قیادت نہ ہونے کے سبب ایسا نہ ہو سکا، وگرنہ پورا نقشہ ہی بدل جاتا کیونکہ تھری ناٹ تھری رائفلز کی رینج تین کلو میٹر تک تھی اور اس کی گولیاں کلاشنکوف کی گولیوں سے سائز میں بڑی ہوتی تھیں۔ اس کے علاوہ ایک رائفل کے میگزین میں سات گولیاں آتی تھیں۔ اب کشت و خون کا بازار گرم تھا اور عاشور کا سورج بھی شام غریباں کو نمودار کرنے کے لیے غروب ہو رہا تھا۔ سورج غروب ہوا تو چاروں طرف تاریکی پھیل گئی کیونکہ اُس زمانے میں وہاں بجلی نہیں تھی اسی دوران افواہ پھیلی کہ فوج آ گئی اور پھر وہاں موجود مجمع خیر پور کی جانب پلٹنے لگا اور اب ٹھیڑی کی گلیوں میں محصور عزادار مکمل طور پر ان کے رحم و کرم پر تھے۔

### ٹھیڑی میں محصور ہو جانے والوں پر مظالم:

میرے ایک دوست نذر عباس نے جو کہ زخمی حالت میں لاشوں کے درمیان پڑے ہوئے تھے بتایا کہ جب مکمل تاریکی چھا گئی تو ٹھیڑی والوں نے ہاتھوں میں خالی

بالٹیاں لیں اور ڈنڈوں پر کپڑے باندھ کر اُن کو علم کی شکل دیتے ہوئے یا حسینؑ یا حسینؑ کی صدائیں بلند کرتے ہوئے زخمیوں اور لاشوں کے درمیان سے گذرتے تھے اور پوچھتے تھے کہ کوئی پیاسا ہو تو پانی پی لے، اب زخموں سے نڈھال اور پیاس کی شدت سے جاں بلب کوئی زخمی اُن کو شیعہ سمجھ کر پانی مانگتا تھا تو وہ اُس کے گلے پر چھری چلا دیتے تھے۔ عزاداروں کے گلوں پر چھری چلانے والوں میں ایک نبن نام کا قصائی بھی تھا جو کہ محلہ لقمان خیرپور کا رہنے والا تھا اور اس منظم پروگرام میں حصہ لینے کے لیے اپنے عزیزوں کے پاس ٹھیڑی گیا ہوا تھا۔ جو کہ بعد میں ایک ہفتہ کے اندر پیٹ میں پھوڑا نکلنے کے سبب واصلِ جہنم ہوگیا۔ اور پھر ان یزیدیوں نے اپنے آباؤ اجداد کی پیروی کرتے ہوئے تقریباً تمام شہیدوں کے گلے کاٹے یا اُن کے سر تن سے جدا کر دیئے۔

لیکن ابھی بھی ان ظالموں کے ظُلم کی پیاس نہیں بجھی تھی یا شاید ان شہدا کے درجات کو اور بلند ہونا تھا، اس لیے ان ظالموں نے میدان کربلا میں لشکر یزید کے امام حسینؑ کے جسم اطہر پر گھوڑے دوڑانے کی رسم کو ادا کرنے کے لیے بھینسوں کی دُموں میں خالی ڈبوں کو باندھ کر شہیدوں کی لاشوں پر چھوڑ دیا تاکہ رات کے اندھیرے میں کسی کے زندہ بچنے کا امکان ہی ختم ہو جائے۔ اس طرح یہ بھینسیں شہیدوں اور زخمیوں کے جسموں پر دوڑتی رہیں۔

لیکن ابھی بھی ایک اور مرحلہ باقی تھا، اِن لوگوں نے شہدا کے لاشے اکھٹے کیئے اور سب کو ایک خالی کنویں میں لے جا کر ڈالنے لگے تاکہ ان کے جسموں کو مٹی کے تیل سے جلا کر کنویں کو بند کر دیا جائے۔

**نشریاتی اداروں سے سانحے کی اطلاع:۔**

لیکن ابھی وہ اس عمل میں مصروف تھے کہ خیرپور کے اُس وقت کے اسٹنٹ



ڈائریکٹر انفارمیشن اشتیاق اظہر جو کہ بعد میں کراچی آ کر ایک سیاسی تنظیم سے وابستگی اور ایک روزنامے میں کالم لکھنے کے حوالے سے مشہور ہوئے نے اُس وقت کے پی پی آئی کے نمائندے جناب علی اکبر زیدی سے کہا کہ وہ ٹھیڑی کی خبر کو میڈیا کے لیے جاری کر دیں۔ کہا جاتا ہے کہ اشتیاق اظہر صاحب کے اس وقت کے ڈی آئی جی سے تعلقات بہتر نہیں تھے جس کی وجہ سے وہ لاشوں کو غائب اور مسخ کرنے کی پالیسی کو ناکام بنانا چاہتے تھے۔ آخر جناب علی اکبر زیدی نے میڈیا کو ایک سو تیرا (۱۱۳) افراد کی شہادت کی خبر جاری کر دی اور اب جیسے ہی ریڈیو پاکستان اور بین الاقوامی میڈیا سے یہ خبر نشر ہوئی تو مقامی انتظامیہ پر دباؤ بڑھ گیا اور اس طرح انتظامیہ کو لاشیں فراہم کرنا پڑیں، کہا جاتا ہے اُس وقت کی انتظامیہ میں خیرپور کا ڈپٹی کمشنر مظہر علی شیخ بھی اس سانحے کی سازش میں شریک تھا، جس کے لیے کہا گیا کہ وہ بعد ازاں پاگل ہو کر مرا۔

**رات کے وقت عزاداروں کی ٹھیڑی سے خیرپور واپسی:۔**

اب دوسری جانب ٹھیڑی سے خیرپور کی جانب پلٹنے والا مجمع پھر دو سے تین گھنٹے کی مسافت طے کر کے خیرپور اور محلہ لقمان پہنچا جہاں قیامت کا منظر تھا ہزاروں افراد اپنے پیاروں کو تلاش کر رہے تھے، اسی دوران ٹھیڑی سے لاشیں آنے کا سلسلہ شروع ہو گیا اور تمام لاشیں سول اسپتال خیرپور کے لان میں جمع کی گئیں، اس میں ایک لاش ٹھیڑی کے رہائشی کی تھی جس سے تعفن اٹھ رہا تھا، اس لیے اس شخص کی لاش کو باقی لاشوں سے علیحدہ کر کے دوسرے مقام پر رکھ دیا گیا۔

یہ تمام رات خیرپور کے مومنین نے شام غریباں کی رات کی طرح یا تو واپس نہ آنے والوں کے لیے یا اُن کی خیریت کی دعائیں کرتے یا پھر اپنے پیاروں کی لاش کے قریب بیٹھ کر گزاری۔ گیارہ محرم کی صبح نمودار ہوئی تو اسپتال سے شہدا کی لاشوں کو اُن

کے ورثا کے گھروں پر منتقل کرنے کا عمل شروع ہوگیا۔

تقریباً بارہ یا ایک بجے تک شہدا کی لاشیں شہدا کے گھروں پر منتقل کر دی گئیں۔ خیر پور میں محمود فوٹو اسٹوڈیو کے مالک جناب محمود نے تقریباً ہر شہید کی لاش کے فوٹو کھینچ کر اُن کو ایک دستاویزی شکل دی۔ ان کے یہ کھینچے ہوئے فوٹو بعد میں اس کیس سے متعلق عدالت میں کام آئے۔ لیکن اس کے بعد اس حوالے سے کوئی مربوط کام نہ ہوسکا۔ البتہ شہید فاؤنڈیشن نے اپنے قیام کے بعد ۲۰۰۵ء میں اپنی ذمہ داری سمجھتے ہوئے شہدائے ٹھیڑی سے متعلق ایک سی ڈی تیار کی اور ایک چھ صفحات پر مشتمل کتابچہ بھی شائع کیا جس کی وجہ سے نئی نسل کو اپنی شاندار تاریخ سے آشنائی ملی۔ اتفاق سے اُس وقت بھی اس سلسلے میں تاریخی مواد اکھٹا کرنے کی ذمہ داری شہید فاؤنڈیشن نے مجھ ناچیز کو ہی سونپی تھی۔

اور اب جب اسپتال سے لاشیں شہیدوں کے گھروں پر منتقل ہونے لگیں تو شہدا کو شہید ہوئے ۱۸ گھنٹے گزر چکے تھے، خیر پور میں اُس دن درجہ حرارت چالیس سے بیالیس درجہ سے کم نہ تھا لیکن بغیر برف کے بھی تمام لاشیں تر و تازہ تھیں، اب شہیدوں کو دفنانے کا پروگرام بنا تو سوائے محلہ لقمان کے باقی تمام شہدا کے ورثا نے اپنے شہیدوں کے لاشے اپنے اپنے آبائی قبرستانوں میں سپرد خاک کرنے کا پروگرام بنایا لیکن محلہ لقمان میں مرکزی مسجد کے پیش امام جناب صفدر حسین بلتستانی مرحوم کے مشورے پر شہدا کی میتیں ایک ساتھ ہی ایک ہی مقام پر دفنانے کا پروگرام بنا۔

اس کے لیے تمام شہدا کے جنازوں کو پہلے مرکزی امام بارگاہ لایا جا رہا تھا تا کہ تمام جنازوں کو ایک ساتھ ان کی آخری آرام گاہ کی جانب لے جایا جا سکے اس دوران جناب محمد عقیل کے جنازے کو امام بارگاہ جانے میں کچھ دیر لگی کیونکہ شہید کو غسل دیتے وقت اُن کے جسم سے خون نہیں رک رہا تھا، آخر وہاں موجود علما نے کہا کہ ان کو اسی



حالت میں کفن پہنا دیا جائے۔ اُس زمانے میں آج کل کی طرح میتیں گہوارے یا تابوت میں قبرستان نہیں جاتی تھیں بلکہ اس مقصد کے لیے پلنگ استعمال ہوتے تھے۔ آخر پلنگ پر محمد عقیل شہید کا جنازہ مرکزی امام بارگاہ کی جانب روانہ ہوا، میں نے دیکھا کہ شہید کے جنازے سے خون کے قطرے گرتے ہوئے جا رہے تھے۔

### معرفت کی مثالیں:۔

میں قارئین کو شہدائے ٹھیڑی اور اُن کے لواحقین کی معرفت کے حوالے سے دو واقعات بتانا چاہوں گا تا کہ آپ کو اندازہ ہو کہ شہدائے ٹھیڑی کس مرتبہ اور معرفت کے شہید ہیں۔ ہوا یہ کہ جب روز عاشور صبح دس بجے نواب سلطان مرحوم صبح ۸ بجے ٹھیڑی میں رونما ہونے والے سانحے کی اطلاع لے کر آئے اس وقت محمد عقیل شہید بھی میرے ہمراہ جناب ابن حسن کے ہوٹل پر کھڑے تھے، وہ اپنے گھر سے وہاں دودھ لینے کے لیے آئے ہوئے تھے، اُن کا مکان میرے گھر کی برابر والی گلی میں تھا۔ اس کے علاوہ وہ مجھ سے بڑے اور میرے ٹیوشن ماسٹر بھی تھے، جس کی وجہ سے میں ان کی بہت عزت واحترام کرتا تھا۔ اور وہ بھی مجھ سے نہایت شفقت و مہربانی کا اظہار کرتے تھے۔ اس لیے میں نے ان سے کہا کہ بھائی عقیل سب لوگ ٹھیڑی جا رہے ہیں آئیے ہم لوگ بھی چلیں، انہوں نے کہا کہ آؤ پہلے میں گھر پر یہ دودھ دے دوں، میں ان کے ہمراہ ان کے گھر آ گیا، اس کے بعد انہوں نے کہا ٹھہرو پہلے میں دو رکعت نماز ادا کرلوں۔

وہ نہایت متقی پرہیز گار اور شب بیدار انسان تھے، انہوں نے دو رکعت نماز پڑھی، میں نے کہا کہ بھائی عقیل آئیے چلیں، کہنے لگے میں اپنی والدہ سے بھی اجازت لے لوں، میں بھی ان کے ہمراہ ان کی بیوہ والدہ کے پاس گیا، انہوں نے کہا اماں ٹھیڑی میں لوگوں نے مجلس پر حملہ کر کے لوگوں کو شہید و زخمی کر دیا ہے اب سب لوگ جلوس

نکالنے کے لیے ٹھیڑی جا رہے ہیں آپ اجازت دیں تو میں بھی چلا جاؤں ۔ان کی بیوہ والدہ نے کہا کہ ہاں بیٹے تم بھی چلے جاؤ ،اللہ تمہارا حامی و ناصر ہو۔

اس کے علاوہ دوسرا واقعہ یہ ہے کہ شہیدوں کے تمام جنازے مرکزی مسجد و امام بارگاہ میں پہنچ چکے تھے ،مومنین شہیدوں کے وارثوں سے تعزیت کر رہے تھے ،اُس وقت وہاں شہدا کے ایسے دو جنازے بھی تھے کہ جو دونوں آپس میں سگے بھائی تھے،ایک بھائی کی عمر ۱۸/سال اور دوسرے بھائی کی عمر ۲۰ سال تھی ،وہیں ان دونوں بھائیوں کے جنازوں کے پاس ان شہیدوں کے والد بھی کھڑے تھے،وہاں ایک صاحب آئے اور اُن کے والد سے گلے لگ کر روتے ہوئے کہا کہ بھائی محمد امیر بڑا غضب ہوگیا،آپ کے دو جوان بیٹے شہید ہو گئے ۔اس پر شہیدوں کے والد نے اپنے بیٹوں کے جنازوں کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ بھائی میرے بیٹے جناب زینبؑ کے بیٹوں سے افضل تو نہ تھے ۔شہیدوں کے والد جب یہ کہہ رہے تھے ان کی آنکھوں میں ایک آنسو بھی نہ تھا۔قارئین کرام میں یہ کہوں گا کہ میرا یہاں یہ واقعہ تحریر کرنا آسان ،آپ کا اس واقعے کو پڑھ لینا آسان لیکن سلام ہو شہیدوں کے والد پر کہ جنہوں نے یہ الفاظ ادا کئے اور اس بات کو سچ کر دکھایا کہ مولاؑ اگر کل ہم کربلا میں ہوتے تو خود کو اور اپنی آل و اولاد کو آپؑ پر نثار کر دیتے ۔واضح رہے کہ جناب محمد امیر کے دو جوان بیٹوں کے علاوہ محلہ لقمان کے ہی جناب قاسم حسین کے دو جوان فرزند جناب محمد جعفر ،عمر ۱۸/سال اور جناب محمد باقر ،عمر ۲۰ سال نے بھی ٹھیڑی میں جام شہادت نوش کیا۔

ٹھیڑی کے سانحے سے متعلق مزید معلومات حاصل کیے جانے کے دوران فقیر دیدار پھلپوٹو نامی شخص کے پوتے محمد یٰسین پھلپوٹو نے جو کہ خیر پور شہر کے قریب پریالو کے



علاقے پھلوار کے رہنے والے ہیں نے بتایا کہ تین جون ۱۹۶۳ء کو روزِ عاشور ٹھیڑی میں صبح کے وقت حملے کی اطلاع جب ان کے دادا فقیر دیدار پھلپوٹو کو ملی تو وہ ٹھیڑی کی جانب روانہ ہو گئے ۔جب وہ ٹھیڑی کے قریب گاؤں پیر منگیون پہنچے تو وہاں ان کی ملاقات اُن کے دو واقف کاروں عطا محمد لانگھا اور غازی خان لانگھا سے ہوئی انہوں نے فقیر دیدار پھلپوٹو سے پوچھا کہ وہ کہاں جا رہے ہیں فقیر دیدار پھلپوٹو نے اُن کو بتایا کہ ٹھیڑی میں سیدوں کے گھر میں قائم امام بارگاہ پر حملہ ہو گیا ہے وہاں جنت کی ٹکٹیں تقسیم ہو رہی ہیں اگر تم کو لینا ہے تو میرے ساتھ چلو۔ یہ سن کر عطا محمد اور غازی خان جو کہ سگے بھائی تھے اور اُس وقت اپنے کھجوروں کے پیڑوں سے کھجوریں کاٹ رہے تھے اپنے ہاتھوں میں موجود کلہاڑیوں کے ہمراہ فقیر دیدار پھلپوٹو کے ساتھ ٹھیڑی کی جانب روانہ ہو گئے جہاں فقیر دیدار پھلپوٹو زخمی ہوئے اور یہ دونوں بھائی شہید ہو گئے ۔فقیر دیدار پھلپوٹو قتل ہونے سے اس لئے بچ گئے کیونکہ ٹھیڑی کے لوگوں کا تعلق بھی پھلپوٹو برادری سے تھا اس لئے انہوں نے فقیر دیدار پھلپوٹو کو زخمی حالت میں چھوڑ دیا۔سانحہ ٹھیڑی کے ان دونوں شہیدوں عطا محمد لانگھا اور غازی خان لانگھا کی قبور اُن کے گاؤں پیر منگیون میں ہیں ۔

عرفانی خصوصیات کے حامل شہدائے ٹھیڑی میں ٹھیڑی کی بستی کے واحد شیعہ رہائشی جناب دیدل شاہ المروف غلام مہدی شاہ کی قبر مبارک بھی خیر پور شہر میں میروں کی کیڈی کے قبرستان میں واقع ہے ۔واضح رہے کہ غلام مہدی شاہ شہید ٹھیڑی کے رہائشوں کی مسلسل زیادتیوں اور ظلم و جور کے باوجود اپنے گھر میں موجود امام بارگاہ میں عزاداری سید الشہداؑ کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے تھے ۔ ۳ جون ۱۹۶۳ کو صبح کے وقت جب مجلس عزا پر ٹھیڑی کے لوگوں نے پہلا حملہ کیا تو وہاں موجود لوگوں میں شہید اور زخمی ہونے والوں میں غلام مہدی شاہ کی والدہ بھی شامل تھیں جو کہ اس حملے میں شدید زخمی ہوئیں جبکہ مہدی شاہ

اور دیگر عزادار درجہ شہادت پر فائز ہوئے جناب مہدی شاہ کا سرتن سے جدا کر دیا گیا تھا اور آپ کے جسم پر گولیوں، کلہاریوں اور نیزوں کے ۲۰ زخم تھے۔

یہاں پر اس بات کا تذکرہ کرنا بھی ضروری ہے کہ یہ شہیدوں کے اخلاص سے پر لہو کا اثر ہے کہ ۵۶ سال کا طویل عرصہ گذرنے کے باوجود شہدائے ٹھیڑی کے حوالے سے کام جاری ہے اس سلسلے میں محلہ لقمان میں اجتماعی طور پر دفن ہونے والے ۳۴ شہدا کے علاوہ باقی شہدا کی قبور کی تلاش کا کام جاری ہے کیونکہ باقی شہدا کو ان کے عزیز واقارب نے اپنے اپنے علاقوں کے قبرستان میں دفن کیا تھا اس لئے شہدا کی باقی قبور خیرپور شہر اور اس کے گردونواح میں موجود دیگر قبرستانوں میں ہیں۔

اس حوالے سے چند نوجوانوں سے جو معلومات حاصل ہوئیں ہین وہ درج ذیل ہیں۔

| مقام مدفن | تعداد قبور |
|---|---|
| گنج شہداں لقمان خیرپور | ۳۴ |
| خیرپور شہر میں جادو شاہ قبرستان | ۱۳ |
| سعیدہ گوٹھ قبرستان | ۴ |
| جعفری امام بارگاہ کے سامنے اچھی کھوٹی، خیرپور | ۱ |
| پولیس گراونڈ کے قریب قبرستان | ۴ |
| حیدری امام بارگاہ کے قریب قبرستان | ۴ |
| بڑا علم کے قریب سندھی کربلا خیرپور شہر | ۷ |
| خیرپور شہر کے قریب گاوں ڈبر | ۵ |
| ٹھیڑی کے قریب گاوں ماچھی گوٹھ | ۱ |
| ٹھیڑی کے قریب برلو | ۳ |



بچل شاہ کے باڑے علی رضا شاہ کے قریب خیرپور ۷۷ قبور دریافت ہو چکی ہیں۔

کیونکہ سرکاری ریکارڈ کے مطابق ۱۰۷ افراد شہید ہوئے تھے اس لئے باقی شہدا کی قبور کی تلاش کا کام بھی جاری ہے۔ حالانکہ کہا جاتا ہے کہ ۲۵۰ سے زائد مومنین شہید ہوئے تھے جن میں بہت سے شہدا کی لاشیں ٹھیڑی کے قریب نہروں میں بہادی گئی تھیں۔

پاکستان خصوصاً سندھ کے تاریخ دانوں کا فرض ہے کہ ۳ جون ۱۹۶۳ کے اس عظیم دلخراش واقعے کو قلمبند کر کے تاریخ کے سینے میں محفوظ کریں۔

میں یہاں پر اس بات کا تذکرہ کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ شہدائے ٹھیڑی میں ایک بڑی تعداد اُن نوجوانوں کی تھی جو یا تو اپنے بوڑھے ماں، باپ کے واحد سہارا تھے یا پھر ان کی ماں بہنیں ان کے سروں پر سہرے کے پھول دیکھنے کی آرزومند تھیں۔ میرا اسلام ہو ان شہدائے راہِ کربلا اور ان کے سرپرستوں پر کہ جنھوں نے عزم و ہمت کی چٹان بن کر راہِ الٰہی میں یہ عظیم قربانیاں پیش کیں۔

شاید یہ ان شہدا اور ان کے ورثا کی معرفت اور ان شہیدوں کے دلیرانہ وشجاعانہ اور موت پر آپڑنے کے جذبے اور ان کے اس ناقابل یقین عمل کہ جہاں وہ گولیوں کی بوچھاڑ اور نیزوں اور کلہاڑیوں کے وار اپنے جسموں پر سہتے ہوئے مسلسل اپنی منزل مقصود کی جانب بڑھتے رہے، یہاں تک کہ شہادت کے جام سے سیراب ہونے، کا اثر تھا کہ اُس وقت کے مجتہد اعظم آیت اللہ محسن الحکیم طباطبائی نے فتویٰ دیا تھا کہ اگر کوئی شخص کربلائے معلی آنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو وہ شہدائے ٹھیڑی کی قبور کی زیارت کرے۔ میں یہاں ایک مرتبہ پھر کہوں گا کہ شہدائے ٹھیڑی جانثاری کا ایک عجیب منظر پیش کر رہے تھے کیونکہ کسی نے بھی گولیوں، نیزوں اور کلہاڑیوں کے وار سے بچنے کی کوشش نہ کی بلکہ گولیوں کی بوچھاڑ اور نیزوں بھالوں اور کلہاڑیوں کے زخم

کھاتے ہوئے مسلسل تنگ گلیوں سے ہو کر مہدی شاہ شہید کے جلے گھر تک پہنچ کر جلوس عزا برآمد کرنا چاہتے تھے کہ جو اس علاقے میں داخل ہو کر ۲ فرلانگ کے فاصلے پر تھا۔

## شہدا کے جنازوں کی گنج شہیداں کی جانب روانگی:۔

اب مرکزی امام بارگاہ سے شہیدوں کے جنازے اپنی آخری آرام گاہ کی جانب روانہ ہوئے لیکن یہاں بھی ایک واقعہ کا تذکرہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں اور وہ یہ کہ جس سڑک سے شہیدوں کے جنازوں کو گذرنا تھا وہاں سڑک کے دونوں جانب برادران اہلسنت کے چالیس پچاس مکانوں پر مشتمل ایک چھوٹی سی بستی تھی جو کہ کانپور کالونی کہلاتی تھی جب روز عاشورہ یہ المناک سانحہ پیش آیا اور کانپور کالونی کے رہائشیوں کو یہ معلوم ہوا کہ شہدا کے جنازے اُن کی بستی سے گذریں گے تو انہیں خوف لاحق ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ غم گسار مجمع مشتعل ہو کر اُن کی بستی یا اُن کو کوئی نقصان پہنچا دے،اس لیے انہوں نے ۱۱ محرم کی دوپہر کو تانگے منگائے اور اپنا ضروری سامان لے کر بستی سے باہر جانے لگے جب اہالیان لقمان نے یہ دیکھا تو ایک بڑی تعداد اُن کے پاس آئی اور اُن سے کہا کہ یقیناً ہم سوگوار ہیں اور ہمیں غم وغصہ ہے لیکن وہ شہدا کے قاتلوں اور ٹھیڑی کے ظالموں کے خلاف ہے آپ کا اس سے کیا تعلق،آپ ہمارے بھائی ہیں،آپ نہایت اطمینان سے رہیں آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔اور پھر ایسا ہی ہوا،شہدا کے ۳۲ جنازوں کا ہزاروں سوگواروں پر مشتمل جلوس اس بستی سے نہایت پُرامن طریقے سے گزرا،جس نے ثابت کیا کہ یہ سنی شیعہ جھگڑا نہیں بلکہ یہ خارجی اور ناصبی گروہوں کا وہ ٹولہ ہے جو ملک کی سالمیت اور مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنا چاہتا ہے۔اہالیان لقمان کے اس پُرخلوص شائستہ اور اسلامی اصولوں پر مبنی عمل کا نتیجہ یہ ہوا کہ کانپور کالونی کے افراد جو پہلے ہی شب عاشور ضریح امام حسینؑ بنا کر پوری رات سلام اور مرثیے پڑھتے تھے وہ اور زیادہ جوش اور جذبے سے مراسم عزاداری سید الشہدا علیہ



السلام ادا کرنے لگے،اب اُن کے ہاں سڑک پر مائک لگنے لگا جہاں سے تمام رات محلہ لقمان میں گشت کرنے والی ماتمی انجمنیں اُن کے مائک پر نوحہ خوانی کرتی تھیں۔ اور اس محبت بھری فضا کا یہ نتیجہ نکلا کہ کانپور کالونی کے ایک رہائشی مولانا صدیق صاحب جو کہ ایک مقامی مسجد کے پیش امام تھے اور نہایت خوبصورت آواز میں قرآن پاک کی تلاوت کرتے تھے انھوں نے مجالس عزا میں شرکت کرنا شروع کر دی،جہاں وہ اپنی دلکش آواز میں سلام بحضور سید الشہدا علیہ السلام پڑھتے تھے۔جب اُن کا انتقال ہوا تو ان کی دو نماز جنازہ ہوئیں کیونکہ اُن کی وصیت تھی کہ اُن کی نماز جنازہ سنیوں کے علاوہ شیعہ بھی پڑھائیں گے۔

پھر شہدا کے جنازے اپنی آخری منزل پر پہنچ کر سپرد خاک کر دیئے گئے۔اور اس طرح یہ ویران اور بنجر زمین کا ٹکڑا ان شہدا کے مقدس لہو کی بدولت گنج شہیداں میں تبدیل ہو گیا۔جہاں پاکستان کے طول وعرض سے زائرین آکر ان شہدائے راہ کربلا کو خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔

اس سانحہ کے بعد خیر پور میں فوج آگئی اور روز عاشور مکمل نہ ہونے والے لقمان خیر پور اور ٹھیڑی کے جلوس عزا دوبارہ برآمد ہوئے۔لقمان میں جلوس عزا کے دوران سکھر سے آئے ہوئے نوحہ خوان جناب اختر حسین کا نوحہ اور اشعار سانحہ ٹھیڑی کے بعد خیر پور میں تعینات کیئے گئے ڈپٹی کمشنر جناب مصطفی زیدی جو کہ خود بھی ایک شاعر تھے کو اتنے زیادہ پسند آئے کہ انہوں نے جناب اختر حسین کو اپنے گھر بلایا اور اُن سے اُن کے اشعار سنے۔

شہدا کی تدفین کے تقریباً دس دن کے بعد شہدا کی لاشوں کا پوسٹ مارٹم ہوا۔عارضی کیمپ لگا دیئے گئے۔ڈاکٹروں نے تعفن سے بچنے کے لیے اپنے چہروں پر ماسک لگائے ہوئے تھے لیکن کچھ ہی دیر کے بعد یہ کہہ کر کھول دیئے کہ یہاں تو بالکل بھی تعفن نہیں ہے۔

### شہداء کی قبور کو پختہ کرنے کا عمل:۔

اس سانحے کے تقریباً دو سال کے بعد شہدا کے ورثا نے انفرادی طور پر قبور کو پکا کرنے کا کام شروع کیا، اس سلسلے میں جب محمد عقیل شہید کے بھائی جنہیں مُلا جی کہتے تھے انھوں نے شہید کی قبر کو پکا بنانے کا ارادہ کیا تو میرے ماموں آباد حسین، جناب مختار، چیئرمین کے بھائی پیر ضمیر حسین کے ہمراہ قبرستان گئے تو جناب آباد حسین نے بتایا کہ جب قبر کو پکا بنانے کے لیے قبر کو کھولا تو انہوں نے دیکھا کہ محمد عقیل شہید کی لاش تر و تازہ تھی اور اُن کے بدن پر کفن بھی صحیح سالم موجود تھا۔ اور شہید کے چہرے پر خون جما ہوا تھا۔ اُن کے ذہن میں آیا کہ اُن کا چہرہ کہیں صرف ایک جھلی تک تو محدود نہیں ابھی اُن کے ذہن میں یہ خیال آیا ہی تھا کہ جہاں وہ بیٹھے تھے وہاں سے مٹی کا ایک چھوٹا ٹکڑا اوپر سے نیچے کی جانب گرا جو کہ محمد عقیل شہید کے گال پر جا کر ٹھہر گیا جو اس بات کا ثبوت تھا کہ محمد عقیل شہید کا چہرہ گوشت سے بھرا ہوا ہے۔

اسی طرح جب اس سانحہ کے تقریباً ۱۵ سال کے بعد تمام قبور کو اجتماعی طور پر پکا کرنے کا کام شروع ہوا تو قبور میں تمام لاشے صحیح سالم موجود تھے اور تمام لاشوں پر کفن بھی صحیح سالم موجود تھا۔

### گمنام شہید:۔

گنج شہیداں میں شہدا کی لاشوں میں چار نامعلوم شہدا کی قبور بھی ہیں نامعلوم شہدا کی قبور کے حوالے سے میرے ذہن میں ایران کے شہر قم میں موجود شہیدوں کا قبرستان گلزار شہدا آ رہا ہے جہاں ایران کے دیگر شہروں کی طرح گمنام قبروں میں ایک ایسے شہید کی قبر بھی ہے جس کو اُس کے ورثا نے تلاش کر لیا تو شہید اپنی والدہ کے خواب میں آیا اور کہا کہ آپ نے مجھے ایک عظیم سعادت سے محروم کر دیا اور وہ سعادت یہ



تھی کہ گمنام شہیدوں کی لحد پر جناب فاطمہؑ تشریف لاتی ہیں۔

### مولانا صفدر حسین بلتستانی کی قبر:۔

اس کے علاوہ ان شہدا کی قبروں سے کچھ فاصلے پر محلہ لقمان کے اُن صاحب تقوی اور عالم با عمل پیش امام مرکزی مسجد لقمان جناب صفدر حسین بلتستانی مرحوم کی قبر بھی ہے کہ جن کی مُدبرانہ بصیرت کے سبب محلہ لقمان میں تمام شہدا کو ایک ہی جگہ پر دفن کیا گیا جس کی وجہ سے گنج شہیداں لقمان آج تمام شہدائے ٹھیڑی کی نمائندگی کر رہا ہے۔

میری دیگر علاقوں کے شہدا کے وارثوں اور اُن علاقوں کے مومنین کے جہاں شہدائے ٹھیڑی کی انفرادی قبور ہیں گذارش ہے کہ وہ شہدائے ٹھیڑی کی قبور پر چار سے پانچ فٹ اونچا احاطہ بنا کر اس پر عَلم مبارک نصب کر دیں تا کہ شہدا کی یہ قبور ان علاقوں میں مینارہ نور بن کر مومنین کے دلوں کو منور کرتی رہیں۔

### ٹھیڑی کی بستی پر عذابِ الٰہی:۔

آپ اہلیانِ ٹھیڑی پر عذابِ الٰہی دیکھئے کہ اس اندوہناک سانحے کے تقریباً ایک ہفتے کے بعد ٹھیڑی میں ایک ایسی پُر اسرار بیماری وجود میں آئی کہ جس کی وجہ سے صرف ایک ہفتے میں ۲۸ /اموات ہوئیں۔ جس کی وجہ سے ٹھیڑی کو حکومتی سطح پر آفت زدہ علاقہ قرار دے دیا گیا۔ اس خبر کو پاکستان کے ایک مشہور قومی روزنامے نے اپنے پہلے صفحے پر حاشیے لگا کر شائع کیا۔

### قاتلوں کے خلاف ایف۔ آئی۔ آر:۔

سانحہ ٹھیڑی کے حوالے سے اس بات کا تذکرہ کرنا بھی ضروری ہے کہ سانحہ ٹھیڑی کے بعد سوال یہ پیدا ہوا کہ شہدا کے قاتلوں کے خلاف ایف آئی آر کون درج کرائے، اس سلسلے میں علامہ عرفان حیدر عابدی کے والد جناب امیر عباس زیدی نے

یہ جرات مندانہ کام انجام دیا، اس کا صلہ قوم نے انہیں یہ دیا کہ ٹھیڑی کے سانحے کے بعد
جہاں B.D کے الیکشن میں انہوں نے ایک تاریخی کامیابی حاصل کی وہیں اُن کا نام
دوسروں کے لیے بھی کامیابی کی ضمانت بن گیا۔

**انصاف کا خون:۔**

اس ہی طرح ٹھیڑی کے سانحے کے بعد دونوں جانب سے تقریباً ڈیڑھ دوسو افراد کو
گرفتار کرلیا گیا۔ سیشن جج خیرپور کی عدالت میں کیس چلا۔ جہاں ایک سے دو سال کیس کی
سماعت ہونے کے بعد حکومتی پالیسی کے تحت دونوں جانب کے گرفتار افراد کو رہا کر دیا گیا۔

**اہلبیتؑ کی تعلیمات کا اثر:۔**

حالانکہ ٹھیڑی کے اس ظالمانہ اقدام کا بدلہ لینا کوئی مشکل کام نہ تھا کہا جاتا ہے اس
مقصد کے لیے تمام تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں لیکن علمائے کرام نے اس کی اجازت نہ
دی کیونکہ ٹھیڑی پر حملہ کرنے کی صورت میں ٹھیڑی میں موجود عورتوں اور بچوں کے
علاوہ ٹھیڑی کے اُن افراد کو بھی نقصان پہنچ سکتا تھا کہ جو انجام دیئے گئے ظالمانہ
اقدامات کے حق میں نہ تھے۔

**قاتلوں کا سربراہ انجام کو پہنچا:۔**

لیکن یہ ضرور ہوا کہ ٹھیڑی کی سب سے نامور شخصیت قاضی فضل اللہ جس کے بارے
میں کہا جاتا تھا کہ وہ اس سانحے کا مرکزی کردار تھا اس کو خیرپور سے ٹھیڑی جاتے
ہوئے قتل کر دیا گیا۔ اس سلسلے میں ٹھیڑی کے سابقہ واحد رہائشی جناب مہدی شاہ شہید
کے بھائی جناب ڈنل شاہ کو گرفتار کرلیا گیا اس سلسلے میں دو سال تک عدالت میں کیس
چلا لیکن بعد ازاں عدم ثبوت پر اُن کو رہا کر دیا گیا۔

واضح رہے کہ شیعوں کی جانب سے کیس لڑنے کے لیے برطانیہ کے بہت



مشہور وکیل سر ڈنگل وڈ کی کو بلایا گیا تھا جنہوں نے اس کیس کی پیروی کے لیے
تین لاکھ روپے لیے تھے، اس سلسلے میں ان کے آنے جانے فیس اور ان کے
اور اُن کی بیگم کے قیام و طعام کے تمام اخراجات ہز ہائی نس میر علی، مراد خان
تالپور نے ادا کیے تھے۔

یہاں پر میں سانحہ ٹھیڑی کی تاریخ کے حوالے سے یہ بات بھی کہنا چاہوں گا کہ اس
سانحہ کے بعد خیرپور میں تعینات کمشنر جناب یزدانی ملک نے امن و امان کے قیام سے
متعلق ایک جلسے میں تقریر کرتے ہوئے اپنی تقریر کا اختتام اس شعر پر کیا کہ ’گر چُپ
رہے گی زباں خنجر لہو پکارے گا آستین کا‘ آپ عزاداری سید الشہدا کا اعجاز دیکھئے کہ کل کے
یزید سے لے کر آج کے یزیدوں تک سب کے نام و نشان مٹ گئے لیکن نام حسینؑ ابن علیؑ
زمانے بھر میں پھیلتا جا رہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد
فرمایا کہ ’’تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کروں گا‘‘ تو اب کیونکہ نواسہ رسول حسینؑ ابن علیؑ اور
ان کے اصحاب اللہ کے ذکر کو باقی رکھنے کے لیے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کر گئے تو اب
اللہ تعالیٰ حسینؑ ابن علیؑ کے ذکر کو قائم رکھ کر اپنا وعدہ پورا کر رہا ہے۔ یہ عزاداری سید الشہدا کا
اعجاز ہے کہ لاکھوں کروڑوں مخالفتوں کے باوجود ذکر حسینؑ ابن علیؑ کا قائم رہنا اور نہ صرف
قائم رہنا بلکہ ہر لمحہ پھیلتا جانا کسی سنی یا شیعہ کا کارنامہ نہیں بلکہ یہ الٰہی کام ہے جو پروردگار عالم
انجام دے رہا ہے اور جسے دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکتی اسی لیے ٹھیڑی میں بغیر
وقفے اور تعطل کے ہر سال جلوس عزا برآمد ہو کر اپنی منزل پر اختتام پذیر ہوتا ہے۔

**تاثیرِ خونِ شہیدائے کربلا:۔**

ان فسادات کے ذریعے دشمن نے چاہا تھا کہ ذکر حسینؑ ابن علیؑ کو ختم کر دے لیکن
ہوا یہ کہ خیرپور کے محلے بنارس کالونی سے ۲۵ محرم کو ایک جلوس عزا برآمد ہو کر خیرپور

شہر جایا کرتا ہے جس میں پچاس سے ساٹھ افراد شریک ہوتے تھے لیکن سانحہ ٹھیڑی کے بعد جب یہ جلوس عزابر آمد ہوا تو یہ جلوس چار سے پانچ ہزار عزاداروں پر مشتمل تھا۔ اور اب یہ ماتمی جلوس بھی خیرپور شہر کے مرکزی جلوسوں میں شمار ہوتا ہے۔ زیارات کے حوالے سے خیرپور میں تین مقامات جاگیر علی اکبرؑ، بڑا علم اور گنج شہیداں بڑی اہمیت کے حامل مقامات ہیں۔

اختتام مضمون کی جانب آتے ہوئے عرض کروں گا کہ جس طرح ہر واقعہ اپنے اندر ایک سبق رکھتا ہے اسی طرح سانحہ ٹھیڑی بھی اپنے اندر جہاں ایثار و قربانی اور دین کے لیے جان قربان کرنے کا پیغام دیتا ہے وہیں ہماری کوتاہیوں کی جانب بھی اشارہ کرتا ہے تاکہ اُن نقصانات سے بچا جاسکے جو قوموں کو اُن کی کوتاہیوں کی وجہ سے برداشت کرنا پڑتے ہیں۔ اس لیے سانحہ ٹھیڑی جہاں جوش، ولولہ اور ایثار و قربانی کا درس دیتا ہے وہیں اس وقت میں قیادت کے فقدان کی نشاندہی بھی کرتا ہے جس کی وجہ سے قوم کو عظیم نقصان سے دوچار ہونا پڑا۔

جب کہ ہم دیکھیں تو ماضی میں ہمیں پروردگارِ عالم نے جناب سیّد محمد دہلوی، جناب مفتی جعفر حسین اور شہید علامہ عارف حسین الحسینی جیسی عظیم قیادتیں عطا کیں جنہوں نے دین وملت کے لیے عظیم کارہائے نمایاں انجام دیئے لیکن بدقسمتی سے ایک مُردہ پرست قوم ہونے کے سبب ہم ان انعامات الٰہی سے بھی صحیح طور پر مستفید نہ ہوسکے اس کے علاوہ ہماری کم معرفتی کا عالم یہ ہے کہ ہم نظامِ اجتہاد کی شکل میں ایک مضبوط نظام ہونے کے باوجود قیادت نہ ہونے کا رونا روتے رہتے ہیں جبکہ اس نظام اجتہاد کی وجہ سے ہمارے پاس رہبر معظم آیت اللہ العظمیٰ سید علی خامنہ ای اور آیت اللہ العظمیٰ سید علی حسینی سیستانی کی صورت میں وہ عظیم قیادتیں موجود ہیں جن کی قیادت میں عمل انجام دیتے ہوئے



''پاسدارانِ انقلاب''، ''حزب اللہ'' اور ''الحدش الشعبی'' نے دشمنانِ اسلام کے ناپاک عزائم کو خاک میں ملاتے ہوئے انہیں ذلت و رسوائی سے دوچار کر رکھا ہے۔

اس کے علاوہ اس نظام سے منسلک افراد کی شکل میں ہمارے ملک میں ایسے ادارے اور تنظیمیں موجود ہیں جن کی شاخیں پورے ملک میں موجود ہیں۔ اس لیے ہمارا فرض ہے کہ ہم قومی طور پر آپس میں مربوط ہو کر اپنی ذمہ داریاں انجام دیں۔

اب جہاں تک کہ ان لوگوں کا تعلق ہے کہ جو کہتے ہیں ملک میں ایک قیادت کیوں نہیں ہے تو ان لوگوں کے بارے میں عرض ہے کہ یہ وہ طبقہ ہے جو دین وملت کے حوالے سے کچھ نہیں کرنا چاہتا وگرنہ آپ ان کی ذاتی زندگی میں دیکھئے کہ بچوں کی تعلیم کے لیے بہترین اسکول کی تلاش سے لے کر اپنی ذات کے لیے بہترین آسائشیں تلاش کرنے تک کون سا کام ہے جو بقولِ ان کے قیادت کے نہ ہونے کے سبب انجام نہیں دے رہے ہیں۔ آپ ان کے لیے اگر تمام توانائیاں صرف کر کے پورے ملک میں ایک قیادت بھی مہیا کر دیں گے تب بھی ان کا شکوہ جاری رہے گا اور پھر یہ کہیں گے کہ جب تک پوری دنیا کے مسلمان ایک نہیں ہو جاتے دین وملت کے لیے کوئی کام انجام نہیں دیا جاسکتا۔

ہمارے قائد:۔

اگر دین وملت کا درد رکھنے والے معرفت کی آنکھوں سے دیکھیں تو انہیں وہ قیادت بھی نظر آجائے گی جو امام زمانہؑ کی صورت میں پوری کائنات کی رہبری کے لیے موجود ہے لیکن انہیں ہم اپنے گناہوں کی کثافت اور کم معرفتی کے سبب نہیں دیکھ پاتے۔ لیکن اگر ہم اپنے عقیدے کی پختگی کو بروئے کار لاتے ہوئے اس بات کا ادراک کریں کہ بے شک ہم مصلحت الٰہی کے سبب امام زمانہؑ کا دیدار نہیں کر سکتے

لیکن ہم اور ہمارے اعمال تو ہمارے امامؑ کی نظروں سے پوشیدہ نہیں اگر ہم صرف اتنا یقین بھی اپنے امامؑ کی ذات اقدس سے متعلق کرلیں تب بھی ہم ایک پیروکارِ حسینؑ ابن علیؑ بن کر اپنی ذمہ داریاں ادا کرسکتے ہیں۔

دشمن شناسی ضروری ہے:۔

ان تمام امور کو انجام دینے کے لیے سب سے پہلا کام دشمن شناسی ہے کیونکہ جب تک ہم اپنے دشمن کو نہیں پہچانیں گے تب تک ہم اپنے دشمن کا مقابلہ نہیں کرسکتے۔ اس سلسلے میں جب ہم جائزہ لیتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ ہمارا سب سے بڑا دشمن خود ہمارا اپنا نفس ہے جو کہ ہماری اپنی خواہشات کی شکل میں دین اور شریعت پر غلبہ پانے کی کوشش کرتا ہے اس سلسلے میں نفس کے حوالے سے میں صرف دو مثالیں پیش کروں گا تاکہ آپ پر نفس کی حیثیت واضح ہوسکے۔

رسول اکرم ﷺ ایک راہ سے گذر رہے تھے دیکھا چند نوجوان ایک وزنی پتھر اُٹھانے میں مصروف ہیں، آپؐ نوجوانوں کے قریب گئے اور پوچھا کہ یہ آپ لوگ کیا کررہے ہیں، نوجوانوں نے کہا کہ یارسول اللہؐ ہم لوگ یہ وزنی پتھر اٹھا کر فیصلہ کرنا چاہتے ہیں کہ ہم میں سب سے طاقتور کون ہے۔ رسول اکرمؐ نے یہ سنا تو کہا کہ طاقتور کا تعین کرنے کے لیے وزنی پتھر کا اٹھانا ضروری نہیں، آپ یہ دیکھیں کہ آپ میں وہ کون ہے جسے سب سے زیادہ اپنے نفس پر قابو ہے، بس وہی شخص سب سے زیادہ طاقتور ہے۔

اس سلسلے میں دوسرا واقعہ بھی رسول اکرم ﷺ سے متعلق ہے لشکر اسلام ایک غزوہ سے واپس آرہا تھا۔ آپؐ نے لشکریوں کو ایک مقام پر روکا اور ارشاد فرمایا کہ آپ لوگ جہاد اصغر سے آرہے ہیں اور اب جہاد اکبر کی جانب جارہے ہیں۔ لشکریوں نے یہ سُنا تو کہا یا رسول اللہؐ ہم جس جہاد سے آرہے ہیں وہاں تلواریں چلیں سرتن سے جدا ہوئے، مسلمان



شہید اور زخمی ہوئے لیکن آپؐ فرمارہے ہیں کہ یہ جہاد اصغر تھا تو پھر یارسول اکرمؐ وہ جہاد اکبر کیا ہے۔ رسول اکرمؐ نے یہ سنا تو کہا کہ جہاد اکبر تمہارا اپنے نفس کے خلاف جہاد ہے۔

اس کے علاوہ ہمارا دوسرا دشمن وہ گروہ ہے جو ہمارے دشمنوں کے ایما پر ہمارے اندر آئے دن نئے نئے مسائل کو جنم دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قوم کو آئے دن کبھی نماز افضل یا حسینؑ افضل، کبھی تشہد میں علیؑ ولی اللہ پڑھنے یا نہ پڑھنے یا علی اللہ جیسے مباحثوں میں اُلجھا دیا جاتا ہے۔ یہ تمام کام ہمارا دشمن اس لیے انجام دیتا ہے تاکہ قوم انتشار و افتراق کا شکار رہے۔

ہمارا اتحاد دشمن کی موت ہے:۔

اس لیے قوم کے ساتھ ماضی میں پیش آنے والے ناخوشگوار واقعات اور دشمن کی حالیہ ملکی اور بین الاقوامی سازشوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ہمارا فرض ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم ﷺ کی اتحاد و اتفاق سے متعلق واضح ہدایت کی روشنی میں کسی صورت میں قوم میں انتشار و افتراق نہ پھیلنے دیں کیونکہ ہمارا اتحاد ہی ہماری فتح اور دشمن کی موت ہے۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم سے ہماری تنظیموں اور اداروں کا بڑھتا ہوا اتحاد ہمارے اچھے مستقبل کی نوید ہے۔ ضرورت ہے اس اتحاد کا دائرہ پوری قوم تک پھیلایا جائے۔

ادارہ گنج شہیداں کے اراکین کو خراج تحسین:۔

میں اختتام تحریر میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ ادارہ گنج شہیداں لقمان کے کارکنان کو خراج تحسین پیش کروں کہ جو ادارہ گنج شہیداں کی تعمیرات اور خدمت میں حصہ لے کر پروردگار عالم اور خصوصاً بارگاہِ شہدائے کربلا علیہ السلام میں اجر عظیم کے مستحق قرار پارہے ہیں کیونکہ وہ ان شہدائے راہِ حق کی خدمت کررہے ہیں کہ جنھوں نے روزِ عاشور میدانِ کربلا میں امام حسینؑ کی صدائے استغاثہ ھل من ناصر اًینصرنا (ہے کوئی جو میری

مدد کرے) پر لبیک کہتے ہوئے اپنی جانیں نثار کر دیں۔

میں اپنے ان محترم بھائیوں سے گذارش کروں گا کہ گنج شہیداں میں شہداء کے علاوہ کسی کو بھی سپرد خاک کرنے کی اجازت نہ دی جائے بلکہ بہتر ہوگا کہ گنج شہیداں کے قریب ہی ایک قطعہ آراضی لے کر اُسے صرف شہداء کے لیے مخصوص کر دیا جائے۔ اگر پاکستان میں شہادت پانے والے شہداء کے لیے الگ قطع اراضی مخصوص کیے جاتے اور متعلقہ شہر کے شہداء کو اُن جگہوں پر سپرد خاک کیا جاتا تو اُن شہداء کی یادگاریں بھی گنج شہیداں بن کر قوم میں جذبۂ بیداری اور روحانیت کا مرکز بن جاتی۔

### مومنین سے گذارش:۔

اس کے علاوہ میں مومنین خصوصاً صاحب ثروت افراد سے گذارش کروں گا کہ وہ ارض پاکستان میں موجودہ اس عظیم زیارت گاہ کی تعمیر میں بھرپور تعاون کریں۔

مومنین کا فرض ہے کہ ایران اور عراق میں موجود امام زادگان اور راہِ شہدائے کربلا میں شہادت پانے والوں کے مزارات کی طرح جناب عبداللہ شاہ غازیؒ، بی بی پاک دامن اور گنج شہیداں محلہ لقمان میں مدفون شہیدوں کے مزارات کی زیارات کو اپنے روزِ مرہ کے معمولات کا حصہ بنالیں کیونکہ قربت الٰہی رکھنے والی یہ ہستیاں اپنے زائروں کا پروردگارعالم سے رابطہ پیدا کر کے ان کی بدنصیبوں کو نصیب ان کی ناراحتی کو راحت ان کی بے سکونی کو سکون، ان کی کم معرفتی کو معرفت اور ان کی کم ایمانی کو مکمل ایمان میں تبدیل کرادیتی ہیں۔

### زیارتی قافلے:۔

زیارتی قافلے ترتیب دینے والے افراد اگر خیر پور کے لیے دو دن کا زیارتی پروگرام ترتیب دیں تو سات سے آٹھ ہزار روپے فی شخص کے حساب سے قافلے ترتیب دیے جاسکتے ہیں۔ کراچی سے خیر پور شہر تقریباً تین سو ستر کلو میٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔



کراچی سے خیر پور کا سفر بس اور ٹرین کے ذریعے سات گھنٹے کے دورانیے پر مشتمل ہے۔ قافلوں کو گنج شہیداں میں موجود ہال میں ٹھہرایا جاسکتا ہے۔ اس کے علاوہ مرکزی امام بارگاہ لقمان اور حیدری امام بارگاہ محلہ علی مراد میں بھی قافلوں کو ٹھہرانے کا بندوبست کیا جاسکتا ہے۔

# خادمین گنج شہیداں

خادمین گنج شہیداں کے حوالے سے سرفہرست نام جناب مولانا صفدر حسین بلتستانی کا ہے کہ جو اس وقت محلہ لقمان خیر پور کی مرکزی مسجد و امام بارگاہ کے پیش امام تھے۔

جبکہ ۱۱۵۰ سے زائد شہدا کی لاشیں مختلف جگہوں پر ان کے آبائی قبرستانوں میں دفن کی جا رہی تھیں محلہ لقمان کے ۳۲ شہدا کے وارث بھی اپنے شہیدوں کی لاشوں کو اپنے اعزا و اقربا کی قبروں کے نزدیک دفن کرنا چاہتے تھے کہ اسی اثناء میں مولانا صفدر حسین مرحوم نے مشورہ دیا کہ اگر ان ۳۲ شہدا کو ایک ہی مقام پر دفن کر دیا جائے تو یہ شہدا کی ایک یادگار بن جائے گی۔

اور پھر ایسا ہی کیا گیا محلہ لقمان کے شہدا کو قبرستان کے قریب ایک مقام پر دفن کر دیا گیا اور یہ مقام گنج شہیداں کے نام سے موسوم ہو گیا اور اب یہ گنج شہیداں لقمان خیر پور میں ٹھیڑی کے تمام شہدا کی نمائندگی کر رہا ہے۔

گنج شہیداں میں شہدا کی تدفین کے بعد پہلے ہی دن سے یہاں شہدا کی قبور کی زیارت اور عزاداری کا سلسلہ جاری ہے جو کہ ہر آنے والے دن کے ساتھ بڑھتا جا رہا ہے۔

اس سانحے کے فوراً بعد تقریباً ۱۲ سال تک ملا نفیس حیدر، جناب حیدر حسن زیدی، جناب حیدر شاہ اور دیگر نے نہایت تندہی کے ساتھ گنج شہیداں کی خدمات انجام دیتے ہوئے مجالس عزا منعقد کرانے کا سلسلہ شروع کیا جس میں چوہدری شفیق صاحب، حکیم محمد حسین صاحب، مولانا ابوالحسن نجفی اور مختار حسین چیئرمین یونین کونسل نے ان کی معاونت کی۔ ان مجالس عزا سے دیگر علماء و ذاکرین کے علاوہ قائد ملت



جعفریہ علامہ سیّد محمد دہلوی، قائد ملت جعفریہ علامہ مفتی جعفر حسین، علامہ اسماعیل دیوبندی، علامہ گلفام حسین، علامہ احمد نوری اور علامہ عباس حیدر عابدی نے بھی خطاب کیا۔ ان مجالس عزا کی وجہ سے ملک اور بیرون ملک گنج شہیداں کے تعارف میں مزید اضافہ ہوا۔

۱۹۷۵ سے ۱۹۹۹ کے دوران جناب محمد یوسف اور ماسٹر مہدی حسن نے نہایت ذمہ داری کے ساتھ گنج شہیداں میں خدمات انجام دیں۔

۲۰۰۰ میں جناب شان حیدر کی زیر صدارت ایک کمیٹی کا قیام عمل میں آیا جس میں جناب قاسم رضا ترمذی، میر ارشاد حسین تالپور، جناب محمد عباس زیدی اور جناب سیّد اکبر عباس زیدی نے فعال کردار ادا کرتے ہوئے ۲۰۰۲ میں شہدا کی قبور اور قبور پر مشتمل چبوترا پکا کرانے کا عمل انجام دیا۔ اس سلسلے میں جناب محمد عالم زیدی اور دیگر افراد نے مالی تعاون کیا۔

۲۰۱۱ء میں سیّد اکبر عباس زیدی ادارے کے سرپرست اعلیٰ بنے تو ادارے کے صدر سیّد محبوب مصطفیٰ زیدی، جناب عادل حسین، جناب محمد رضا شاہ اور کمیٹی کے دیگر ارکان کے باہمی مشوروں سے وقت کی ضرورت کو پیش نظر رکھتے ہوئے گنج شہیداں کی توسیع تعمیر اور ترقی کے لیے اقدامات کیے۔ جس میں بوسیدہ چہار دیواری کی جگہ نئی چہار دیواری کے ساتھ ساتھ تقریباً 30x15 کا ایک ہال اور باتھ روم بھی تعمیر کرایا تاکہ خیر پور سے باہر سے آنے والے زائرین یہاں قیام کر سکیں اور نماز مناجات اور دعاؤں کے علاوہ یہاں مجالس عزا بھی منعقد کی جا سکیں۔

۲۰۱۴ اور ۲۰۱۵ میں یہاں شہدائے اسلام کانفرنس کا انعقاد ہوا جس میں ۲۰۱۴ میں کانفرنس کی صدارت علامہ فرقان حیدر عابدی اور ۲۰۱۵ میں کانفرنس کی صدارت علامہ عون محمد نقوی نے کی۔ جبکہ اسٹیج سکریٹری کے فرائض ایڈووکیٹ در محمد

کولاچی نے انجام دیئے۔

گنج شہیداں میں ہال اور دیگر تعمیرات کے لیے حکومت سندھ نے 60 لاکھ روپے خرچ کیے۔ اس رقم کی فراہمی کے لیے اس وقت کے سندھ کے وزیر اعلیٰ جناب قائم علی شاہ، رکن قومی اسمبلی محترمہ نفیسہ شاہ، پرنسپل سکریٹری وزیر اعلیٰ سندھ جناب مظہر خان، ڈپٹی کمشنر جناب محمد عباس بلوچ، ڈپٹی کمشنر جناب منور علی مٹھانی اور ایس ڈی او ورکس ڈویژن جناب باقر شاہ نے بھرپور معاونت کی۔

محلہ لقمان کے سابق اور موجودہ رہائشی پر مشتمل ادارے باب الحوائج فاونڈیشن کے ارکان گذشتہ ۲۵ برسوں سے ہر سال ٹھیڑی کے شہدا کی برسی کے موقع پر گنج شہیداں میں سالانہ مجلس عزا کا انعقاد کرتے ہیں۔ جس میں جید علما کے علاوہ سندھ کی چودہ، پندرہ ماتمی انجمنیں شرکت کرتی ہیں۔ اس کے علاوہ باب الحوائج فاونڈیشن نے بارہ لاکھ پچاس ہزار روپے کی رقم الیکٹرک کے کام، سولر سسٹم کی تنصیب، پانی کے لیے بورنگ، موٹروں اور ٹینکروں کی تنصیب اور وضو خانے کی تعمیر پر خرچ کیے۔ ادارہ اس سلسلے میں باب الحوائج فاؤنڈیشن کے ان اقدامات کی قدر کو نگاہ سے دیکھتا ہے۔

۲۰۱۵ میں محلہ لقمان کے سابقہ رہائشی سیّد احمد رضا زیدی نے کاروان عشق کے نام سے سانحہ ٹھیڑی پر مستند حوالوں سے ایک کتاب تحریر کی جو کہ سانحہ ٹھیڑی کے حوالے سے ایک مستند تاریخی کتاب کی حیثیت رکھتی ہے۔ کیونکہ مصنف اس واقعے کے عینی شاہد ہیں۔ اس کے علاوہ سماجی زندگی میں ایک اہم مقام رکھنے کے حوالے سے انہوں نے اس سانحے کے ہر پہلو کا بغور جائزہ لیا ہے۔

گنج شہیداں ادارے کے سربراہ سیّد اکبر عباس زیدی نے اس کتاب کی اہمیت اور افادیت کو دیکھتے ہوئے اس کتاب کے دوسرے ایڈیشن کی طباعت کی خواہش کا اظہار کیا اور اس سلسلے میں مصنف کو کچھ مزید دستاویز مہیا کیں جس کی بنا پر ۲۰۱۷



میں اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن شائع ہوا۔

۲۰۱۹ میں گنج شہیداں کی چار دیواری میں شہدا کی قبور سے ملحقہ شبیہہ روضہ امام حسینؑ کی تعمیر کی گئی جس کے لیے گنج شہیداں ادارے کے سرپرست اعلیٰ سید اکبر عباس زیدی اور صدر جناب محبوب مصطفیٰ زیدی نے گنج شہیداں کے قریب واقع زمینوں کے مالک ایڈووکیٹ اعجاز علی چانڈیو سے ان کی زمینوں کی راہداری کے لیے گنج شہیداں ادارے کو باون لاکھ پچاس ہزار روپے کی رقم دلوائی۔ واضح رہے کہ شبیہہ روضہ امام حسینؑ کی عمارت کا سنگ بنیاد مولانا غلام حسنین رضوی نے پچیس اپریل ۲۰۱۷ کو رکھا تھا۔

۲۰۲۰ میں گنج شہیداں میں موجود شبیہہ روضہ امام حسین میں شبیہہ ضریح امام حسینؑ کی تنصیب کا عمل وجود میں آیا۔ اس ضریح کی تیاری کے لیے علامہ عون محمد نقوی کی سربراہی میں ایک کمیٹی کے قیام عمل آیا تھا جس کے ارکان میں حکیم محمد احمد زیدی، جناب نازش رضا زیدی، جناب فخر عالم شاہ اور علامہ مستجاب حیدر عابدی شامل تھے۔ کمیٹی نے اس مقصد کے لیے ۶۱ لاکھ روپے کی رقم اکھٹا کی تھی۔

۲۰۲۰ میں گنج شہیداں کے ادارے کے سرپرست اعلیٰ سید اکبر عباس زیدی نے محلہ لقمان کے سابق رہائشی کتاب کاروانِ عشق (سانحہ ٹھیڑی) کے مصنف سیّد احمد رضا زیدی اور ان کے بھائی سیّد طاہر عباس زیدی کے توسط سے جناب حسین مستوئی کے ذریعہ حکومت سندھ کی جانب سے خیرپور ریلوے اسٹیشن جن وڈا کے قریب جن وڈا سے گنج شہیداں تک سم نالے سے گنج شہیداں تک، لاشاری چوک سے گنج شہیداں تک سندھی اسکول کے پیچھے واقع اسپتال سے قبرستان وادی عباسؑ تک اور زیدی صاحب والوں کے قبرستان سے گنج شہیداں تک سڑکیں تعمیر کرائیں جس پر حکومت سندھ نے ایک کروڑ ۳۰ لاکھ روپے خرچ کیے۔

گنج شہیداں ادارے کے سرپرست اعلیٰ سیّد اکبر عباس زیدی کی جانب سے گنج

شہیداں ادارے کے نام سے ملحق زمینوں سے قبضہ واگزار کرانے کا عمل جاری ہے۔
اس حوالے سے گنج شہیداں کے قریب واقع سم نالے کے دوسری جانب واقع ڈیڑھ ایکڑ زمین پر ۵۵ سال کے بعد حکومتی کاغذات میں نشان لگوائے ہیں۔ اس سلسلے میں ادارہ سردار امتیاز پھلپھوٹہ کی کوششوں کو سراہتا ہے۔ اس کے علاوہ سہارنپور قبرستان والوں سے ۷۴۳۸ فٹ زمین اور مولوی ہاوس کے لیے مختص ۱۳۰۵ فٹ زمین کی واگزاری کے لیے بھی جدوجہد جاری ہے۔ اس زمین کے کاغذات کی اسکین کاپی ادارے کے سرپرست اعلیٰ نے حکومت سے ساتھ سالہ جدوجہد کے بعد حاصل کی ہے۔ واضح رہے کہ مولوی ہاوس کے لیے مختص زمین کے کاغذات ۲۰۱۳ میں سیّد محمد علی شاہ کے فرزند جناب حیدر شاہ لقمانی نے گنج شہیداں کی انتظامیہ کو دیئے تھے۔

گنج شہیداں کی فعالیت کو بروئے کار لانے کے لیے گنج شہیداں کی چہار دیواری میں مولانا اسد اقبال کی سربراہی میں ایک دینیات سینٹر قائم کردیا گیا ہے جس سے علاقے کے بچے مستفیض ہو رہے ہیں۔

گنج شہیداں کی چہار دیواری میں موجود زمین کے علاوہ گنج شہیداں کے قریب گنج شہیداں کے نام پر ۸/۱ ایکڑ زمین موجود ہے۔ اس قطع اراضی پر مسجد، اسکول، کالج ڈسپنسری اور دو مزید ہال تعمیر کرنے کا پروگرام ہے تاکہ یہاں مرد اور مستورات جداگانہ طور پر مناجات دعائیں اور مجالس عزا کا انعقاد کرسکیں۔ اس کے علاوہ باقی حصہ کھلا رکھا جائے گا تاکہ مخصوص مواقع پر بڑی تعداد میں آنے والے زائرین کے لیے اس جگہ کو استعمال کیا جاسکے۔

گنج شہیداں کا ادارہ بہت عرصے سے کوشاں تھا کہ گرم اور سرد موسم کے دوران شہیدوں کی قبروں پر فاتحہ خوانی اور زیارت کے لیے آنے والوں کے لیے قبور پر شیڈ تعمیر کراسکے تاکہ زائرین آسانی کے ساتھ فاتحہ خوانی اور دیگر امور انجام دے سکیں۔



اللہ کا شکر ہے کہ اس سلسلے میں گنج شہیداں ادارے کی جانب سے کی جانے والی کوششیں بآور ثابت ہوئیں اور فروری ۲۰۲۲ میں حکومت سندھ نے گنج شہیداں کی قبور کے لیے ۸۰ لاکھ روپے کا ٹینڈر اور گنج شہیداں کے قریب واقع پیر علی حیدر کے مزار پر شیڈ کے لیے ۲۰ لاکھ روپے کا ٹینڈر منظور کرکے کام کا آغاز کردیا ہے۔

ادارہ گنج شہیداں ان تمام افراد کا جو دامے درمے سخنے ادارہ گنج شہیداں کی تعمیر وترقی میں معاونت کرتے ہیں شکریہ ادا کرتے ہوئے ادارہ خصوصی طور پر مشکور ہے ادارہ خصوصی طور پر جناب سلامت علی رند، جناب خواجہ عزیز ایڈووکیٹ، جناب منظور حسین لاڑک، جناب صفدر علی بھٹی ایڈووکیٹ، جناب ڈاکٹر غلام مصطفیٰ سہاگ، سابقہ سکریٹری حکومت سندھ اور جناب سیّد ہدایت حسین رضوی جنہوں نے شبیہہ روضہ حضرت عباس علمدارؑ ادارہ گنج شہیداں کے تعاون سے ایک کروڑ روپے کی لاگت سے تعمیر کرائی ہے۔

# سفاکیت کا اعتراف

کتاب شہدائے حبیب آباد کے مصنّف جناب سیّد غنی حیدر اپنی کتاب شہدائے حبیب آباد میں تحریر فرماتے ہیں کہ جب وہ خیر پور میں پولیس کے محکمہ میں آڈیٹر کی حیثیت سے تعینات تھے تو اس وقت کے خیر پور کے S.P کے P.A سعید احمد سے ان کے قریبی مراسم تھے۔ جو کہ ٹھیڑی کا رہائشی تھا۔ سعید احمد ان کے نام غنی کی وجہ سے ان کو بھائی کہتے تھے۔

ایک مرتبہ ٹھیڑی میں اس کے گھر پر کوئی تقریب تھی جس میں اس نے جناب غنی حیدر زیدی کو بھی مدعو کیا۔

اتوار کا دن تھا غنی حیدر زیدی ٹھیڑی میں اس کے گھر کی تقریب میں شرکت کے لیے پہنچ گئے کھانے کی محفل سے فارغ ہونے کے بعد سعید احمد نے ان کو چائے پلانے کے لیے روک لیا۔

جب یہ چائے پی رہے تھے اس دوران ایک شخص وہاں آیا جس کا تعارف اس نے غنی حیدر صاحب سے کراتے ہوئے کہا کہ یہ میرا چچا زاد بھائی ہے اور لوہار کا کام کرتا ہے۔

سعید احمد نے مزید بتایا کہ جب روز عاشور رافضی یہاں جلوس نکالنے کے لیے آئے اور ہنگامہ ہوگیا تو یہ امام بارگاہ کے دروازے کے پیچھے جو کہ کافی چھوٹا اور تنگ تھا گنڈاسہ لے کر کھڑا ہوگیا اور جب بھی کوئی رافضی امام بارگاہ میں داخل ہوتا یہ گنڈاسے کا بھرپور وار اس کی گردن پر کر دیتا اس طرح اس نے کافی تعداد میں رافضیوں کو قتل اور زخمی کیا۔

# تاثرات اور آیت اللہ محسن طباطبائی کے خطوط اور اُن کے جوابات

## ماخوذ از کتاب

# سانحہ ٹھیڑی، خیر پور

## تحریر کردہ

# مولانا سیّد شہنشاہ حسین نقوی



## جناب سیّد ڈنل شاہ کاظمی صاحب برادر شہید غلام مہدی شاہ

(بانیٔ مجلس وجلوس ٹھیڑھی)

محترم سیّد ڈنل شاہ کاظمی (مرحوم) کی تاریخِ پیدائش ۱۹۳۷ ء ہے۔ ڈنل شاہ صاحب کے پانچ بچے، دو بیٹے اور تین بیٹیاں جو کہ سب زیرِ تعلیم ہیں جبکہ مرحوم کے دو بھائی اور تین بہنیں ہیں۔ یہ خانوادہ دوسو سال سے ٹھیڑھی کا باشندہ گھرانہ ہے۔ محنت مزدوری، کھجوروں کا کاروبار گزر بسر کا ذریعہ ہے۔

مرحوم نے بتایا کہ سادات کا ایک ہی گھرانہ ۱۸۳۱ء سے آباد ہے، جبکہ چودہ پندرہ گھر عزاداری میں ساتھ دیتے تھے جبکہ غیر شیعہ اور مخالفِ عزاداری افراد کے ساتھ بھی ان لوگوں کے مراسم تھے۔

۱۹۶۳ء کا سانحہ اور اتنا بڑا نقصان رونما نہ ہوتا اگر ٹھیڑھی کے لوگ ہماری بات سمجھتے لیکن یہ فرقہ پرست لوگ تھے کئی بار ان سے ملاقات کی اور انھیں سمجھایا کہ ہم سب مسلمان ہیں اور ہم نبیؐ کے گھرانے کا غم مناتے ہیں مگر یہ ہمیں تعصّب کی نگاہوں سے دیکھتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم سنی ہیں تم شیعہ ہو، ہمارا تمہارا اتفاق نہیں ہوسکتا، وغیرہ وغیرہ۔ ہمیں اُنھوں نے کئی بار دھمکیاں دیں کہ عزاداری چھوڑ دو ورنہ بُرا انجام ہوگا مگر ہم عزاداری جان سے زیادہ عزیز رکھنے والے لوگ ہیں۔ ۱۹۵۱ء میں پہلی مرتبہ ہمارا ان کا اختلاف ہوا جس میں اُنھوں نے علَم اور تعزیہ جلا دیا۔ شدید جھگڑا ہوا، ہم لوگ میر صاحبان کے پاس شکایت لے کر گئے تو اُنھوں نے کہا کہ تمھیں بھی اس شہر میں رہنا ہے اور انھیں بھی رہنا ہے، لہٰذا صلح صفائی کرلو، اس طرح دوطرفہ خواہش پر ہمارے والد سیّد ریدھل شاہ کاظمی نے قاضی حبیب اللہ جو دیو بندیوں کا ذمے دار تھا، کے ساتھ صلح کرلی، البتہ ۱۹۵۱ء تا ۱۹۶۱ء کوئی ناخوش گوار واقعہ رونما نہیں ہوا۔ ۱۹۶۱ء

کے جھگڑے میں میرا بھائی سیّد غلام مہدی شاہ کاظمی زخمی ہوا اور میری ٹانگ ٹوٹ گئی اور چند مومنین زخمی ہوئے، اس واقعے کے بعد آنے والے محرم کی عزاداری میں خیر پور اور گردونواح کے بہت سے مومنین نے شرکت کی، اس سے ہمارے حوصلے بہت بلند ہوئے، پھر ہماری بھر پور حمایت کرنے والی شخصیت صوبیدار میجر سیّد محمد حسنین کاظمی کو قتل کر دیا گیا۔ چناں چہ ۱۹۶۲ء میں جھگڑے کا خطرہ تھا، مگر میر خان محمد خان تالپور نے یقین دہانی کرائی کہ کوئی تم سے نہیں لڑے گا اور ایسا ہی ہوا کہ یہ ۱۹۶۲ء کا سال پر امن گزرا مگر ۱۹۶۳ء کا محرم ہمارے لیے بڑی آزمائش کا سبب بنا، قاضی فضل اللہ جو دیوبندیوں کا رہنما تھا، مدرسے کا پرنسپل بھی، اور وہاں کا زمیندار تھا اور یہی تھا جس کے بل بوتے پر وہ ہم سے لڑتے تھے جسے سانحہ ٹھیڑھی کے بعد کسی نے اسے قتل کر دیا اور میں پانچ سال جیل میں رہا۔

۳ جون ۱۹۶۳ء مطابق ۱۳۸۳ھ ق م بروز پیر روز عاشورہ، ہر سال کی طرح عزاداری، ماتم، نوحے اور گریہ وزاری کا دن ہے۔ ہم بھی ویسے ہی عزادار ہیں جیسے پوری دنیا بلکہ شیعیت کی تاریخ میں ہوتا آیا ہے، ہمارے گھر کی اس عزاداری میں ماچھی گوٹھ جس میں چالیس گھر مؤمنین کے تھے جو ایک میل کے فاصلے پر ہیں، دو میل کے فاصلے پر پیر منگیو جس میں پینتالیس گھر مؤمنین کے تھے، پل گوٹھ اور خیر پور شہر کے چند مؤمنین شرکت کیا کرتے تھے۔

خیر پور شہر کے رہنماؤں میں جناب عبدالحسین جعفری، میر خان محمد خان تالپور سیّد مرتضیٰ حسین نقوی چیئرمین صاحب سے رابطہ رہتا تھا، ہمارے گھر کی یہ عزاداری صدیوں پرانی تھی مگر جب مدرسہ دارالہدیٰ قائم ہوا تو ہماری مشکلات بڑھنا شروع ہوگئیں کیوں کہ اُس وقت اُس میں ڈیڑھ سو سے زیادہ طالب علم پڑھتے تھے اور جب ہم جلوس لے کر روڈ پر آتے تھے تو وہ کہتے تھے یہ کیا ہو رہا ہے اور ان کے اساتذہ انھیں مطمئن نہیں کر پاتے تھے۔ ہم لوگ شروع ہی سے شیعہ تھے البتہ مذہب جعفریہ



کی معلومات ہمارے پاس کم تھیں مگر ۱۹۴۷ء قیامِ پاکستان کے بعد جب ہندوستان سے لوگ ہجرت کر کے یہاں آئے تو ہمارا انداز اور بہتر ہوگیا، سانحہ ٹھیڑھی کی تفصیل یہ ہے: 11 بجے صبح مجلس عزاء ہو رہی تھی۔ ذاکر اہل بیتؑ صاحب ڈنو ماچھی مجلس پڑھ رہے تھے، پہلے حملے میں ذاکر اہل بیتؑ کو گولی لگی جس میں وہ موقع پر شہید ہوگئے اور انیس (۱۹) افراد شدید زخمی ہوئے جبکہ مجلس میں ۲۵ افراد شریک تھے۔ ان کا یہ منصوبہ تھا کہ ذاکر کو ماردیں گے تو خیر پور کے لوگ جمع ہوں گے پھر انھیں پلاننگ کے ساتھ قتل کریں گے چناں چہ ایسا ہی ہوا۔

یہ خبر جب خیر پور شہر اور لقمان شہر میں پہنچی تو مؤمنین ہماری مدد کے لیے خیر پور، ببرلو اور دیگر آبادیوں سے ٹھیڑھی آنے لگے۔ اس ملاقات میں محترم سیّد محمد جمیل تقوی مرحوم بھی تشریف فرما تھے۔ اُنھوں نے فرمایا۔ ہمارا مرکزی جلوس امام بارگاہ انجمن حیدری علی مراد سے برآمد ہو کر ابھی بھائی مرتضیٰ کے چوک پر پہنچا تھا کہ یہ خبر ایک شخص جو محمد قصائی کے نام سے مشہور تھا، لے کر آیا تصدیق کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ بات درست ہے چنانچہ شہر اور لقمان کا جلوس روک دیا گیا اس دوران خیر پور انتظامیہ وہاں پہنچی جس میں ڈپٹی کمشنر مظہر شیخ، ایس پی اصغر لغاری شامل تھے تاکہ مسئلے کا حل تلاش کیا جائے۔

جناب محترم بابو رضا حسین کی بیٹھک میں میٹنگ ہوئی۔ اس گفتگو میں خیر پور کے متعدد رہنما شریک تھے مگر ایک یا دو افراد شامل نہیں تھے۔ ڈی سی خیر پور نے آ کر اعلان کیا کہ علم اور تعزیہ میں چند افراد کے ہمراہ دیئے جائیں تاکہ ہم جا کر جلوس نکلوائیں تو کسی نے آواز دی کہ خیر پور اور لقمان کے بہت سے افراد وہاں جا چکے ہیں، میر خان محمد خان تالپور کی جیپ پر علم اور تعزیہ رکھا گیا۔

میر خان محمد خان تالپور، عبدالحسین جعفری، سیّد مرتضیٰ حسین نقوی (چیئرمین صاحب)، سیّد محمد امین تقوی صاحب، وکیل سیّد علی عباس تقوی اور اُن کے ساتھ

میں (سیّد محمد جمیل نقوی) روانہ ہوئے مگر ہمیں ٹھیڑھی پُل پر روک دیا گیا ادھر لقمان اور خیر پور کے بعض افراد قیادت کے اعلان سے قبل ٹھیڑھی پہنچ چکے تھے ان کے پاس کوئی اسلحہ نہیں تھا، ہاں راستے میں اگر کوئی ٹال آئی جیسے بھائی مرتضیٰ کے والد سوز خواں سیّد ابرار حسین نقوی کی ٹال سے لکڑیاں اُٹھا اُٹھا کر لے گئے اور وہ بھی ان سے پولیس نے رکھوا لی تھیں یعنی وہ خالی ہاتھ ٹھیڑھی پہنچے جن میں سے اکثر شہید ہو گئے۔ مرحوم سیّد محمد ڈنل شاہ کاظمی نے بتایا، ہم سب لوگ گھر میں تھے صبح کا سانحہ ہو چکا تھا۔ دوسرا حملہ پانچ بجے شام ہوا لوگ ہمارے گھر میں گھس آئے اور گھر کو آگ لگانے لگے۔ کچھ لوگ مہدی بھائی کو مار رہے تھے۔ میری ماں نے قرآن سر پر اُٹھا کر واسطے دیئے لیکن ان اسلام اسلام کرنے والوں نے قرآن کا بھی احترام نہیں کیا، اور میری ماں کے کلہاڑی ماری، جس کی زد میں آکر وہ بے ہوش ہو گئیں۔ ادھر میرے بھائی کو اتنا مارا کہ وہ شہید ہو گئے، بعد میں تو اُن کی گردن بھی کاٹ دی گئی۔

جس وقت میرے گھر اور امام بارگاہ کو آگ لگائی اور خیر پور سے آئے ہوئے مومنین پر گولیاں چلائی جا رہی تھیں، تو میں بھاگ کر جھاڑیوں میں چُھپ گیا، جو قبرستان کی طرف تھیں۔ میں نے ایک میمن کی آواز سُنی کہ اس طرف آ جاؤ، میں نے دیکھا، بہت سے لوگ بھاگ بھاگ کر امام بارگاہ کی طرف جا رہے ہیں۔ جب سب چلے گئے اور میں نے محسوس کیا کہ اب کوئی باقی نہیں ہے، تو میں جھاڑیوں سے نکل کر بھاگا۔ میں بیگ ماجی جو ٹھیڑھی سے مشرق کی طرف ہے، وہاں گیا، راستے میں، میں نے آواز سُنی، جب میں نے مُڑ کر دیکھا تو کچھ سیّد تھے ببرلوء کے، اُنھوں نے مجھے بلا کر اپنی گاڑی میں بٹھایا اور میر خان محمد صاحب کے گھر تک پہنچایا۔

یہ کشار رات نو بجے تک چلتی رہی۔



ہمارے گھر کے ایک طرف قبرستان تھا، جس میں ٹھیڑھی والوں کے مُردے دفنائے جاتے تھے۔ دوسری طرف میمنوں کے گھر تھے۔ امام بارگاہ کے ساتھ ہم شیعوں کا قبرستان تھا۔ اُس کے برابر میں ہاڈو قصائی کا گھر تھا، یعنی تین طرف گھر تھے، ایک طرف قبرستان۔ تینوں اطراف سے چھتوں سے گولیاں چل رہی تھیں اور اگر کوئی بچ کر بھاگتا تھا تو دروازوں سے نکل نکل کر بغدوں اور چاقوؤں سے مؤمنین کو مار دیا جاتا تھا۔ گلیوں کے دروازے بند کر دیئے گئے تھے۔ جب لوگ گلیوں میں آکر پھنس جاتے تھے تو انھیں مار دیا جاتا تھا۔

پولیس موجود تھی، بلکہ ڈی ایس پی دائم علی شاہ خود موجود تھا، جو بہت ہی متعصّب افسر تھا۔ یہ تمام کشار اُس کے سامنے ہوئی ہے۔ اُدھر مرتضیٰ صاحب، میر صاحب وغیرہ آئے بھی، تو انھیں وہاں آنے نہیں دیا گیا۔

رات ایک بجے فوج نے آکر ہاں کا کنٹرول سنبھالا اور لاشیں اُٹھوائیں۔ یہ لاشیں سول اسپتال خیر پور لائی گئیں۔ صبح اعلان ہوا کہ اپنے اپنے ورثاء کو آکر لے جائیں۔ ہم نے اپنے بھائی مہدی شاہ کی لاش اِس حالت میں پائی کہ اُس کا سر کٹا ہوا تھا، صرف کھال رہ جانے کی وجہ سے سر جسم سے جدا نہیں تھا اور بھی بہت سی ایسی لاشیں تھیں، جن کی شناخت کرنا مشکل تھا۔ سول اسپتال کے دونوں پارک لاشوں سے بھرے ہوئے تھے۔ سب اپنے اپنے عزیزوں کی لاشیں تلاش کر رہے تھے۔ ایک قیامت صغریٰ کا سا منظر تھا۔

میں ۲۶ دن میر خان محمد خان تالپور کے وہاں رہا، اُس کے بعد مجھے گرفتار کر لیا گیا۔

شہداء میں زیادہ تر ۱۸ سال سے ۴۵ تک کی عمر کے افراد تھے۔ دو تین آدمی ایسے ہیں، جن کی عمر ۵۸ سال تھی اور بچوں میں تیرہ سال تک کی عمر کے بچے تھے، جو شہید ہوئے۔ خیر پور اور لقمان کے عزادار زیادہ شہید ہوئے۔

اسپتال میں کسی کا بھی پوسٹ مارٹم نہیں ہوا، بلکہ ۶ یا ۹ دن بعد دو یا تین

لاشوں کا پوسٹ مارٹم کیا گیا تھا، وہ بھی اس لیے کہ ہمارا کہنا یہ تھا کہ لوگوں کو گولیوں سے مارا گیا ہے، جب کہ وہ بلوے کے کیس کو محکم کرنے کے لیے کہہ رہے تھے کہ چاقو وغیرہ سے مارا ہے۔ اس لیے یہ دیکھنے کے لیے کہ گولیاں لگی ہیں یا نہیں، پوسٹ مارٹم ہوا، اور یہ ثابت بھی ہوا کہ گولیوں سے مار کر اُسی جگہ مزید زخم چاقو سے لگایا گیا ہے۔

شہداء کا خون کبھی چھُپ نہیں سکتا۔ یہ اُن کا خون ہی تھا، جس نے یہ معجزہ دکھایا کہ آج تک وہاں جہاں سارے سال اہلِ بیتؑ کا نام لینے والا کوئی نہیں، عزاداری ہر سال ہوتی ہے۔ دوسرے ہی سال انتظامیہ پر ہمارے ذمّے دار افراد کے رعب نے وہاں عزاداری بر پا کرائی، لیکن لوگوں کی تعداد محدود کر دی گئی، سو(۱۰۰) سے زیادہ لوگ نہیں جا سکتے تھے، پھر یہ ہوا کہ میں (۲۰) عزادار خیر پور سے اور اَسّی (۸۰) ببرلوء سے جاتے ہیں۔

ہر سال مرکزی امام بارگاہ انجمنِ حیدری، نیا گوٹھ سے علَم اور تعزیہ مع بیس (۲۰) لوگوں کے جاتا ہے۔ ادھر اسّی (۸۰) عزاداروں کو ببرلوء سے لیا جاتا ہے۔

میرا قیام خیر پور میں میر علی بازار، میر صاحبان کے گھر کے پاس ہے، ٹھیڑھی میں تو میرے داخلے پر پابندی ہے، حکومت نے مجھے وہاں جانے سے روکا اور مجھے خیر پور میں گھر بھی نہیں دیا۔

ہمارے مکان اور پلاٹ پر آہستہ آہستہ قبضہ کر لیا گیا اور اب چھوٹا سا پلاٹ رہ گیا ہے۔ میری امام بارگاہ کے علَم کو ابھی حال ہی میں شہید کر دیا ہے، ہم نے ایف آئی آر درج کرائی ہے۔

انتظامیہ نے ۱۴ محرم کو اُسی سال ہمیں جلوس نکالنے کا کہا لیکن ۵۰ آدمیوں سے زیادہ کی اجازت نہیں تھی، ہم نے ۱۴ محرّم کو جلوس نکالا اور اب وہ جلوس عاشور کے دن برآمد ہوتا ہے اور پرمٹ ہولڈر میں ہوں، جلوس و ماتم ہوتا ہے، مگر میں وہاں



نہیں جا سکتا۔

قاضی فضل اللہ کے قتل کا کیس گیارہ سال تک چلا مگر الحمدللہ میں بَری ہوا۔ بعض شیعہ شخصیات بالخصوص امین صاحب نے میرا بہت ساتھ دیا اور میں بہت مطمئن ہوں۔(۱)

---

(۱) محترم ومکرم سید ڈنل شاہ صاحب سے ہم نے انٹرویو اس لیے لیا کہ وہ ایسی شخصیت ہیں جو ہمیں اس حوالے سے مکمل معلومات فراہم کر سکتے ہیں، کیونکہ ۱۹۶۳ کا یہ مشہور سانحہ ان ہی کے گھر میں ہوا تھا وران ہی کی امام بارگاہ میں لوگ ہر سال عزاداری کرنے جاتے تھے۔ یہ گفتگو جناب محترم سید محمد جمیل حیدر تقوی صاحب بہادر پوری کی رہائش گاہ محلہ علی مراد میں ہوئی جس میں جناب محترم سید محمد حیدر زیدی (فرزند سید صغیر حسین زیدی ایڈووکیٹ) بھی موجود تھے۔

# جسٹس (ر) جناب محترم سیّد علی اسلم جعفری(۱)

س: اس سانحے کے اسباب کیا تھے؟

ج: **پہلا پس منظر:** جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے، اس سانحے کے اسباب

۱ ہمیشہ حوصلہ افزائی کرنے والی شخصیت جناب محترم جسٹس (ر) سید علی اسلم جعفری کی خبرِ رحلت پورے وجود کو ہلا گئی۔ محترم سید علی اسلم جعفری کا نام تا دیر نسل بعد نسل یاد رکھا جائے گا۔ ایسی شخصیت جس پر تحریریں لکھی جائیں، سیمینار منعقد ہوں اور اُن کے اندازِ زندگی سے سیکھا جائے۔ محترم سید علی اسلم جعفری مرحوم ۱۱۳ اکتوبر ۱۹۴۳ء کو آگرہ انڈیا میں پیدا ہوئے۔ ستمبر ۱۹۴۷ء میں پاکستان آئے اور ایک سال سے کم عرصے کے لیے ہری پور ہزارہ میں قیام پذیر ہوئے۔ اکتوبر ۱۹۴۸ء میں والدین کے ساتھ خیر پور منتقل ہو گئے۔ ابتدائی تعلیم سلطان المدارس سے اور میٹرک ناز ہائی اسکول سے کیا۔ ممتاز کالج خیر پور سے تعلیم جاری رکھی اور سندھی، اُردو اور انگریزی مقرر کے طور پر کئی تقریری مقابلوں میں پوزیشن حاصل کی، اسٹوڈنٹس یونین کے جنرل سیکریٹری منتخب ہوئے۔ آپ اپنے اسکول کے دنوں میں بوائے اسکاؤٹس میں شامل ہوئے اور سندھ کی سطح پر پاکستان بوائے ایسوسی ایشن میں مختلف عہدوں پر چالیس سال تک فائز رہے۔ ۱۹۶۲ء میں سندھ یونی ورسٹی سے گریجویشن کیا۔ ۱۹۶۴ء میں ایل ایل بی کا امتحان پاس کیا اور تیسری پوزیشن حاصل کی۔ ۱۰ مارچ ۱۹۹۵ء کو ایڈووکیٹ بنے۔ ۱۱ اپریل ۱۹۲۷ء کو ہائی کورٹ کے ایڈووکیٹ بنے۔ ۱۳۰ اپریل ۱۹۸۶ء کو سپریم کورٹ کے ایڈووکیٹ بنے۔ ایک تجربہ کار قانون دان کے طور پر انھوں نے متعدد بین الاقوامی تقریبات اور مواقع پر پاکستان کی نمائندگی کی اور کئی تجاویز پیش کیں اور ملک کے عدالتی نظام کی بہتری کے لیے متعدد تحقیقی امور انجام دئے۔ ایک سماجی کارکن کی حیثیت سے اُنھوں نے سماجی فلاح و بہبود سے متعلق ان گنت کاموں کی سر پرستی کی، خاص طور پر خیر پور اور سندھ کے دیگر علاقوں میں آئی کیمپ وغیرہ کا انعقاد۔ اِس کے ساتھ ساتھ خیر پور میں شاہ لطیف یونی ورسٹی کے قیام کے لیے بھر پور کوششیں کیں۔ آپ ایک متحرک اور مشہور، شیعہ کا رکن تھے اور اپنی سالانہ ۸ محرّم کی تقریر (جلوس میں خطاب) کے حوالے سے مشہور تھے۔ تمام مقامی اور علاقائی شعراء کی سر پرستی کی اور خیر پور میں مشاعروں کا اہتمام کیا۔ اس حوالے سے ایک مرتبہ آپ، بابائے اُردو مولوی عبدالحق کو ۱۹۶۱ء میں خیر پور لائے تھے۔ یکم ستمبر ۱۹۷۲ء کو گورنمنٹ لاء کالج خیر پور میں قانون پڑھانا شروع کیا اور یہ سلسلہ ۱۱۹ اکتوبر ۲۰۰۰ء تک جاری رہا۔ ۱۰ فروری ۱۹۸۵ء سے ۱۱۹ اکتوبر ۲۰۰۰ء تک گورنمنٹ لاء کالج خیر پور کے پرنسپل رہے۔ ۱۱۰ اکتوبر ۲۰۰۰ء کو سندہ ہائی کورٹ کے جسٹس مقرر ہوئے اور ۲۰۰۶ء میں ریٹائر ہو گئے۔ ڈسٹرکٹ بار ایسوسی ایشن کے پانچ سے زائد مرتبہ صدر منتخب ہوئے۔ سندھ بار کونسل اور پاکستان بار کونسل کے دو مرتبہ رُکن منتخب ہوئے۔ ۱۹۸۳-۱۹۸۷ء کے (جاری اگلے صفحے پر)



میں سے ایک سبب وہاں کے صاحب اقتدار یا وہاں کے ہر شہری کی مذہبی منافقت تھی کہ عزاداری امام حسینؑ وہاں نہ ہو۔ اِس بات کا اندازہ آپ کو بھی ہوگا کہ وہ پورا کا پورا علاقہ جو آج ایک قصبے کی صورت اختیار کر چکا ہے، وہاں عزاداری کرنے والے یا شیعہ حضرات کے ایک یا دو گھر تھے، اور ۱۹۴۷ء میں یعنی پاکستان بننے سے پہلے بھی اس علاقے میں شیعہ عقیدے سے تعلق رکھنے والے حضرات موجود نہیں تھے۔ صرف ایک گھر شہید مہدی شاہ کا تھا لیکن کیوں کہ خیر پور ریاست کے رئیس شیعہ تھے، اس لیے کسی کی ہمت نہیں ہوتی تھی کہ وہ عزاداری میں رکاوٹ پیدا کریں۔ اور یہ بات واضح ہے کہ رعایا حکمرانوں کی وجہ سے وہی مذہب اپنا لیتی ہے، جو حکمرانوں کا ہوتا ہے۔ جس کی ایک مثال دی جاتی ہے، آپ نے بھی سُنی ہوگی کہ پاکستان بننے سے پہلے خیر پور میں آٹھ اور دس محرّم کو لکڑی کی بنی ہوئی ضریحیں نکالی جاتی تھیں، جو انتہائی وزنی ہوتی تھیں۔

دوران خیر پور بلدیہ کے ممبر منتخب ہوئے۔ آزاد امیدوار کی حیثیت سے ایم پی اے کی نشست کے لیے الیکشن لڑا اور ۱۹۸۵ء میں خیر پور شہر سے سب سے زیادہ ووٹ حاصل کیے۔ پہلے وفاقی محتسبِ اعلیٰ برائے انشورنس کے طور پر منتخب ہوئے اور ۲۰۰۶ء سے ۲۰۱۰ء تک ۴ سال کے لیے اس عہدے پر فائز رہے۔ سندھ جوڈیشل اکیڈمی کے ڈائریکٹر جنرل کے عہدے پر فرائض انجام دیئے اور جوان اور نئے ججز کی تربیت کے لیے کئی پروگراموں کا آغاز کیا۔ تدریس کے شعبے سے تقریباً ۵۰ سال وابستہ رہے اور ہزاروں طالب علموں کو زیورِ تعلیم سے آراستہ کیا۔ مختلف یونیورسٹیز جس میں Ish، NU-Fast،SZABIST (زیبسٹ)، آئی بی اے (IBA) سکھر اور کراچی کے بورڈ آف گورنرز اور بورڈ آف ٹرسٹیز کے ممبر رہے۔ شاہ عبداللطیف یونی ورسٹی کے سنڈیکیٹ کے ممبر بھی رہے۔ ۲۰۱۹ء میں ایس ایم لاء کالج، کراچی کے پرنسپل بنے اور آخری سانس تک اِس عہدے پر فائز رہے۔ مجھے نمازِ جنازہ میں شرکت (اور امامت) کی توفیق ہوئی، پھر مجلس سوئم بوتراب امام بارگاہ، عزیز آباد میں منعقد ہوئی جس میں ہزاروں افراد خاص و عام کی شرکت اُن سے لوگوں کی والہانہ محبت کی دلیل ہے اور اب اُن کی مجلسِ چہلم کے موقع پر اہلِ خانہ کی جانب سے اس کتاب ''حضرت علیؑ کا حکمرانوں کے نام خط'' کی اشاعت قابلِ قدر عمل ہے۔ اللہ سے دُعا ہے کہ اُن کی اہلیہ دختر سید تعظیم حسین نقوی (مرحوم)، فرزندان محترم جناب سید علی عظمت جعفری، محترم جناب سید علی اشعر جعفری، دُختران اور دیگر خانوادے کو اپنی امان میں رکھے۔ (آمین)

آج بھی پرانی امام بارگاہوں میں وہ موجود ہیں۔علی رضا شاہ کی امام بارگاہ میں بھی موجود ہے۔چھتن شاہ کی امام بارگاہ میں بھی موجود ہے، تو اُن کو اُٹھانے کے لیے بڑے مضبوط جسم کے لوگوں کی ضرورت پڑتی تھی، لہٰذا یہ بات مشہور ہے کہ ٹھیڑھی سے نوجوان آتے تھے خواہ اُن کا عقیدہ کچھ بھی ہو، وہ آتے تھے اور ضریح کو اُٹھاتے تھے۔ بعد میں چاہے اُن کو ہدیہ بھی دیا جاتا ہو، یا وہ اپنے شوق سے آتے ہوں، یا حکومت کو خوش کرنے کے لیے آتے ہوں، واللہ اعلم۔

یہ اُن کے دِلوں کی بات ہے، لیکن بہر حال اُس وقت تک کسی کی یہ مجال نہیں تھی۔ اِس کے بعد ۱۹۵۵ء تک یہ ریاست قائم رہی۔ میر صاحبان کے اثر سے حالات میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ ۱۹۵۵ء کے بعد جب ریاست کو ختم کیا گیا، تو باہر کی مختلف مذہبی اور سیاسی جماعتوں نے یہاں نفوذ حاصل کیا۔[۱]

س: باہر سے کیا مراد ہے؟

ج: باہر سے مراد ہے، پاکستان کے دوسرے علاقوں سے یہ تنظیمیں آنا شروع ہوئیں۔اس سے پہلے یعنی ۱۹۵۵ء سے پہلے خیر پور کا ایک آزاد (انڈیپینڈنٹ) نظام تھا۔ بعد میں پاکستان کا نظام لاگو ہونا شروع ہوا۔ پہلے عدلیہ اپنی تھی، وزراء اپنے تھے، اسمبلی اپنی تھی۔جب ریاست کے بعد یہ علاقہ ایک ضلع کا کردار ادا کرنے لگا تو

(۱) شاعرِ اہلِ بیتؑ جناب محترم کوثر نقوی نے محترم جسٹس (ر) سید علی اسلم جعفری مرحوم کے لیے بہترین قطعۂ تاریخِ وفات کہا ہے، جو ہم یہاں پیش کر رہے ہیں:

تم کو حاصل ہو گیا ، آرام و راحت کا مقام
یعنی ، زیرِ سایہ رحمت ، علی اسلم ہو اَب
مصرعۂ تاریخ کی رُو سے ہو ، ہر غم سے بَری
'' فضلِ ربّ سے، ساکنِ جنّت، علی اسلم ہوا اَب''

۲۰۲۱ء



لوگ مختلف علاقوں سے یہاں آنا شروع ہوئے۔ دوسرے شیعہ ریاست ہونے کی وجہ سے جو دوسرے لوگوں کی نظریں اِس پر لگی ہوئی تھیں، تو اُن کو بھی کام کرنے کا موقع ملا۔اس آٹھ سال کے عرصے میں یعنی ۱۹۵۵ء سے ۱۹۶۳ء تک مختلف علاقوں میں چھوٹی چھوٹی باتیں عزاداری کے خلاف ہونا شروع ہوئیں اور بعض علاقوں میں تیزی کے ساتھ یہ بات پھیلنے لگی۔ خاص طور پر ٹھیڑھی اور کھہڑا شہر میں یہ بات یعنی عزاداری کی مخالفت عام ہونے لگی۔

اِن دونوں علاقوں میں خاصہ خوف و ہراس رہا، کھہڑے میں تو ریاست کے زمانے میں بھی ایک زبردست ایجی ٹیشن تعزیہ نکالنے کے معاملے میں ہوا تھا، کافی زیادہ مزاحمت ہوئی تھی۔ پورے پاکستان سے مومنین آئے تھے اور گرفتاریاں دی تھیں، کیوں کہ وہاں کے مخدوم صاحبان تعزیہ نکلنے نہیں دیتے تھے اور اُن کا کہنا یہ تھا کہ ہمارے پاس اورنگزیب کے زمانے سے فرمان ہے کہ اس علاقے میں عزاداری نہ ہو، حالاں کہ کھہڑا ریاست کا حصہ تھا، ٹھیڑھی میں ایسی کوئی بات نہیں تھی لیکن ٹھیڑھی میں ایک مدرسہ تھا، جہاں شیعہ عقائد کے خلاف تعلیم دی جاتی تھی۔ آپ اس کو دیو بندی مسلک کہہ لیجیے، وہاں آہستہ آہستہ لوگوں کی آمدو رفت زیادہ ہونے لگی، بلوچستان، پنجاب اور سندھ کے لوگ وہاں پڑھنے آتے تھے۔آہستہ آہستہ وہ علاقہ وہابیت کا یا دیوبندی مسلک کا گڑھ بن گیا اور تعلیمی لحاظ سے اہلِ سنت کا حوزہ جسے کہا جائے، بن گیا۔

**دوسرا پس منظر:** اِس واقعے کا دوسرا پس منظر یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اس میں سیاسی عوامل بھی تھے۔اگر آپ جون ۱۹۶۳ء کا اخبار اُٹھا کر دیکھیں تو آپ محسوس کریں گے کہ خیر پور واحد جگہ نہیں تھی جہاں یہ واقعہ رونما ہوا تھا، بلکہ لاہور میں یہ واقعہ ہوا، نارووال میں یہ واقعہ ہوا، کراچی میں یہ واقعہ ہوا، لیکن چھوٹا تھا، حیدرآباد میں اسی سے ملتا جلتا ایک واقعہ ہوا تھا۔ پاکستان کے چھوٹے بڑے تیرانوے ۹۳ شہروں میں

اُس سال یہ واقعات ہوئے اور نہ صرف پاکستان میں بلکہ دوسرے ممالک میں بھی یہ
واقعات رونما ہوئے۔

س: ایران میں تیرہ خرداد کو مدرسۂ فیضیہ میں یہ واقعہ ہوا۔

ج: جی ہاں! نہ صرف ایران میں بلکہ کئی ممالک میں یہ واقعات ہوئے، تو اِس
سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس میں بیرونی طاقتوں کا بھی ہاتھ تھا۔ ہمارے ملک کی اُس
زمانے کی حکومت کے بھی ہوسکتا ہے، مفادات شامل ہوں۔ ہوسکتا ہے، وہ اتنے
بڑے پیمانے پر خیر پور میں خوں ریزی نہ چاہتے ہوں، لیکن جھگڑا ہوتے ہوتے ایک
بڑے جھگڑے کی صورت اختیار کر گیا کیوں کہ خیر پور کے حکّام کا جو کردار سامنے آیا،
اُن کی خاموشی، اُن کی نا اہلی یا جان بوجھ کر واقعے کو نظر انداز کرنا، یہ حالات دیکھ
کر لوگوں نے احساس کیا کہ اِس میں ایڈمنسٹریشن (انتظامیہ) کی بھی دانستہ یا نادانستہ
حمایت حاصل ہے۔ پاکستان بھی ان حالات سے دو چار ہوا اور سب سے زیادہ ضلع
خیر پور اس واقعے سے متاثر ہوا۔

س: اس واقعے کی ابتدا کیسے ہوئی؟

ج: اس واقعے کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ ٹھیڑھی میں مہدی شاہ کی امام بارگاہ
تھی، وہاں دس محرّم کو عزاداری ہوتی تھی اور تعزیہ میر خان محمد خان صاحب کے یہاں
سے جاتا تھا، کیوں کہ ٹھیڑھی میں تو شیعہ تھے ہی نہیں، آس پاس کے لوگ ایک میل
ڈیڑھ میل کے فاصلے سے آتے تھے، صبح ۹ یا ۱۰ بجے مجلس ہو رہی تھی، ایک میدان تھا،
جس کی چھوٹی سی دیوار تھی، شامیانہ لگا ہوا تھا۔ شاہ صاحب کوئی بہت بڑے رئیس نہیں
تھے۔ غریب آدمی تھے۔ مجلس کے دوران ٹھیڑھی شہر کے لوگوں نے یا جو اُن کے ساتھ
شامل تھے، حملہ کیا، شامیانے کی رسیاں کاٹ دیں اور صاحب ڈِنو نامی ایک صاحب کو
جو قرآن پڑھ رہے تھے، یا ذاکری کر رہے تھے، اُن کو شہید کر دیا گیا۔ جب یہ خبر
خیر پور شہر اور لقمان میں پہنچی تو یہاں نوجوانوں میں خاصی بے چینی پیدا ہوئی اور وہ



لوگ ٹھیڑھی کی جانب جانے لگے۔ اب وہ لوگ تفصیل معلوم کرنے جا رہے تھے یا
جذبات میں جا رہے تھے۔ اس ضمن میں جو بات مشکوک ہے وہ یہ کہ اس سانحے کے
ہونے کے بعد بھی انتظامیہ نے کوئی بھی ایسے اقدامات نہیں کیے، جن سے احتیاطی
تدابیر اختیار کی جاسکتیں۔

آپ نے خیر پور سے ٹھیڑھی جانے والا راستہ دیکھا ہے، اگر سختی سے حکم دے کر
صرف ۵ پولیس اہلکار وہاں کھڑے کر دیئے جاتے کہ وہ کسی کو بھی آگے نہ جانے دیں تو
کوئی بھی نہیں جاسکتا تھا، لیکن اُنھوں نے کوئی روک تھام نہیں کی، بلکہ جانے والوں
کے ہاتھوں سے لکڑیاں بھی رکھ لیں، انتظامیہ کے اس فعل نے نوجوانوں کو دعوت دی
کہ وہ ٹھیڑھی کی طرف جائیں۔ نہ صرف نوجوان بلکہ بوڑھے اور اُدھیڑ عمر افراد اور بچے
دس دس، بارہ بارہ سال کے اُن میں شامل تھے۔

س: اُس وقت انتظامیہ میں کون تھے؟

ج: دائم علی شاہ ڈی ایس پی، مظہر شیخ ڈی سی تھے، اِن لوگوں نے ایک اور
کھیل کھیلا، وہ یہ کہ میر خان محمد کی جیپ میں تعزیہ رکھوا کر کچھ خاص خاص لوگوں کو اپنے
ساتھ لینے لگے کہ ہم تعزیہ نکلوائیں گے وہاں جا کر، انھیں بھی میدان میں چھوڑ دیا۔ یہ
لوگ بہت مشکلوں سے بچ کر واپس آئے، اس طرح ہمارے ذمے دار افراد بھی
مارے جاتے، جن میں چیئرمین صاحب بھی تھے لیکن جو حضرات وہاں چلے گئے، تو
اُن پر بندوقوں سے فائر کیے گئے، اُن کے لیے کوئی راستہ نہیں تھا بچاؤ کا، بعد میں
گولیوں کے نشانات مٹانے کے لیے ان پر چاقو اور خنجر، کلہاڑی سے وار بھی کیے گئے،
جس کا سبب یہ تھا کہ وہ کلہاڑی وغیرہ کا زخم دکھا کر بلوے کا کیس بنا دیں۔

بہر حال سرکاری طور پر ایک سو بیس آدمی اِس واقعے میں مختلف قومیت رکھنے
والے، مختلف زبان بولنے والے کام آئے، یہ فیگر بھی اِس طرح سامنے آگئی کہ جب
شام کو خیر پور پولیس اسٹیشن میں خیر پور کے شہریوں کا اجتماع ہوا اور وہ لاشوں کا مطالبہ

کر رہے تھے، ڈی آئی جی فضل حق، ایس پی غلام اصغر وغیرہ سے جب بات ہونے لگی، تو باتوں باتوں میں اُنھوں نے یہ ظاہر کیا کہ ۱۲۰ لاشیں اب تک اکٹھی کی گئی ہیں۔ اِس مقام پر ڈائریکٹر انفارمیشن سیّد اشتیاق اظہر صاحب جو سنّی تھے، موجود تھے۔ وہ اتنے متاثر ہوئے تھے اِس واقعے سے کہ اُنھوں نے انفارمیشن ڈیپارٹمنٹ کے ذریعے یہ خبر بی بی سی تک پہنچائی۔ اُسی رات یعنی ۳ جون ۱۹۶۳ء کی رات ۱۱ بجے کی نیوز سروس نے ۱۲۰ لاشوں کی خبر سنائی۔ بعد میں اشتیاق اظہر صاحب کو پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اُن کو محکمے سے نکالا گیا۔ ایوب خان ناراض ہوئے کہ اتنی بڑی تعداد نشر نہیں کرنی چاہیے تھی، جب کہ اصل تعداد اس سے زیادہ ہے، کیوں کہ بہت سے لوگ زخمی حالت میں نہروں میں کود گئے، بہت سی لاشیں نہروں میں بہائی گئیں، بہت سی لاشیں کنویں میں ڈال دی گئیں، لیکن ۱۲۰ لاشیں سرکاری طور پر تصدیق شدہ ہیں۔

خیرپور میں کرفیو لگا دیا گیا تھا، جلوس ابھی امام بارگاہوں سے باہر ہی آئے تھے، انجمنِ حیدری کا مرکزی جلوس ابھی مرتضیٰ حسین صاحب کے مکان تک آیا ہی تھا کہ جلوس روک دیا گیا۔ تمام شہر کے لوگ اور وہ افراد جو سنّی تھے لیکن اہلِ بیتؑ کے ماننے والے تھے، سب محلہ علی مراد میں جمع تھے۔ شیعہ عمائدین جو تھے، وہ اپنی سی کوشش میں مصروف تھے، حالات بہت ڈراؤنے تھے۔ ایک ہُو کا سا عالم تھا، سب سہمے سہمے سے تھے۔ کوئی گلی ایسی نہیں تھی جس میں سے پانچ دس جنازے نہ آئے ہوں۔

میرے والد محترم سید علی مطاہر جعفری جو ایڈووکیٹ تھے، کربلا کے سانحے سے انھیں عام شیعہ سے ہٹ کر لگاؤ تھا۔ وہ اس دل خراش سانحے کے سننے کے بعد اِس میں دن رات مصروف رہے۔ اُنھوں نے یہ تجویز دی کہ ان سب افراد کو ایک جگہ دفنایا جائے۔ اس پریشانی کے عالم میں وہ سب کے پاس گئے لیکن لقمان کے مومنین کو سمجھانے میں وہ کامیاب رہے، اس طرح لقمان میں بیشتر شہداء ایک ساتھ دفن کیے گئے۔



والد صاحب کی ایک اور کوشش تھی، وہ یہ کہ تمام شہداء کے فوٹو بنوا لیے جائیں۔ تو ایک فوٹوگرافر کی خدمات حاصل کی گئیں، بعد میں اُن تصاویر پر پابندی بھی لگائی گئی، فوٹوگرافر حضرات کو بھی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ پولیس نے یہ کیس داخل کیا۔ ایف آئی آر میں کافی لوگوں کے نام آئے، جو آپ نے ریکارڈ میں دیکھے ہوں گے۔ دوسری طرف سے بھی بلوے کیس کی صورت دے کر ایف آئی آر درج کرائی گئیں، ایک مولانا عبدالحکیم تھے جو ٹھیڑھی کی ایک چھوٹی سی مسجد کے پیشِ نماز تھے، وہ کیسے مرے، کس نے مارا، اُنھیں بھی اِس کیس میں شامل کیا گیا اور ٹھیڑھی میں چند دُکانوں کو آگ بھی لگائی گئی تھی۔

اِس کیس میں خیرپور کے چیدہ چیدہ افراد کو شامل کیا گیا اور پولیس نے مختلف طریقوں سے دو گروہوں کو کیس میں اُلجھا دیا۔ انتظامیہ کے نقطۂ نظر سے یہی ایک طریقہ ہوتا ہے کہ اگر صرف ایک فریق کو چالان کیا جائے، تو آگے چل کر کمپرومائز کے چانس کم ہوتے ہیں اور اگر دونوں فریقوں کو چالان کر دیا جائے تو آگے چل کر دونوں پارٹیاں تھک جاتی ہیں اور پھر کمپرومائز کی طرف جھکنے لگتی ہیں۔ بہرطور آفیشلی یا حکومت کی جانب سے تو کمپرومائز نہیں ہوا، لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کیس میں جھول پڑنا شروع ہوتا ہے یا فکری طور پر جذبات میں کمی واقع ہونے لگتی ہے، تو نتیجہ یہ دیکھا آپ نے کہ ایک عرصے تک کیس چلا، آخر میں عدالت نے دونوں فریقوں کو شک کا فائدہ دیتے ہوئے بری کر دیا، یعنی ۱۲۰ افراد کا قتل بھی اور دوسری طرف سے ایک یا دو افراد کا قتل اور چند دُکانوں میں آتش زنی کی واردات، یعنی دونوں کو یہ کہہ کر یہ بات ثابت نہیں ہو رہی کہ قصور کس کا تھا، کس نے حملہ کیا، کس نے دفاع کیا، کس نے کیا جرم کیا ہے، اس لیے آپ لوگ آزاد ہیں، کیس کو ختم کیا جاتا ہے۔

س: کیا ۱۲۰ افراد کا ضائع ہونا بڑا جرم نہیں تھا؟

ج: بڑا جرم تھا لیکن قانونی طور پر جب تک عینی گواہ نہ ہو، اسلامی نقطۂ نگاہ سے بھی شہادتیں درکار ہوتی ہیں، لیکن ہمارے یہاں اُس وقت تو اسلامی نظامِ عدل کا کوئی تصوّر ہی نہیں تھا۔ جو سسٹم چل رہا تھا، اُس کے تحت جو گواہیاں تھیں، عدالت نے اُن کو سچا قرار دیا۔ بہرحال آخر میں فیصلہ یہ ہوا کہ دونوں گروہ اپنا اپنا جرم ثابت نہ کر سکے، اس کے علاوہ بھی چند اہم باتیں تھیں وہ یہ کہ جب یہ کیس داخل ہوا، دونوں فریقین کے خلاف تو خیرپور کے ذمّے دار افراد نے یہ طے کیا کہ ڈی ایس پی، ڈی سی، ایس پی اور دیگر سرکاری اہل کاروں کے خلاف کیس داخل کرنا چاہیے اور ان کا ایک مطالبہ تھا کہ ان لوگوں کی غفلت، لاپروائی اور غیر ذمّے داری کا یہ سارا نتیجہ ہے، تو یہ کیس پولیس والے داخل نہیں کر رہے تھے۔ تو یہ ڈائریکٹ کمپلین (یعنی پولیس سے رپورٹ کیے بغیر سیدھی عدالت میں درخواست داخل کی جاتی ہے) تھی۔ اس میں ٹھیڑھی کے ذمّے دار افراد جو اس میں ملوث تھے، اُن کے خلاف بھی درخواست تھی۔

اِس کیس کو لڑنے کے لیے انگلینڈ سے ایک بیرسٹر بلائے گئے، جن کا نام ڈنکل فٹ تھا۔ وہ بعد میں برٹش پارلیمنٹ کے ممبر بھی ہوئے۔ وہ یہاں خیرپور آئے اور چھے ہفتے تک اس کیس کی پیروی کرتے رہے، لیکن عدالت نے اس کیس کو ان سرکاری افراد کے خلاف چلانے کی اجازت نہیں دی۔ وہ کمپلین ڈسمس (رَد) کر دی گئی۔ اُن کا کہنا یہ تھا کہ کسی بھی سرکاری افسر کے خلاف اُس کے سرکاری فرائض کے سلسلے میں حکومت سے اجازت لیے بغیر کیس داخل نہیں کیا جاتا۔ حکومت کا کہنا یہ تھا کہ اِن لوگوں نے ذاتی طور پر ایسا نہیں کیا ہے بلکہ لاپروائی ہوئی ہے، اِس کے لیے حکومت سے اجازت ضروری ہے۔

اُدھر حکومت اس مسئلے کو دبانے کے لیے سُن نہیں رہی تھی، اجازت نہیں دے رہی تھی۔ باقی ملزمان کے خلاف کیس چلتا رہا۔ سکھر جیل میں اِس کیس کی سماعت ہوتی تھی۔ دونوں جانب سے وکلاء آتے تھے۔ اُس جانب سے اچھے اچھے پاکستانی وکلاء



کی خدمات حاصل کی گئیں، پیرزادہ عبدالستار تھے۔ اللہ بچایو جعفری تھے، ہماری جانب سے شروع میں تو یہ بیرسٹر صاحبان سر ڈنکل فٹ جو بعد میں سر کے خطاب سے انگلینڈ میں نوازے گئے، اِن کے بعد ایک دوسرے صاحب تھے جن کا نام تھا ایلن ڈیوس، اِن کے بعد پھر ایک مسٹر برٹ انگریز وکیل تھے، بوڑھے تھے۔ اِن کے بعد چوتھے جو آئے، وہ ڈیوڈ سولمن تھے، تو تقریباً چھے مہینے تک باہر کے وکلاء پیروی کرتے رہے، لیکن یہ بہت مہنگا مسئلہ تھا۔ اِن کے ٹھہرانے، جہاز کے کرائے، اِن کی گراں فیس، یہ سارے اخراجات، اِس کے علاوہ جو ایک اہم مسئلہ ہوتا تھا وہ زبان کا تھا۔ ان کے لیے ترجمان کی ضرورت پڑتی تھی۔ پھر اُن ترجمانوں میں مقامی وکلاء صاحبان کام کرتے تھے۔ کبھی کبھی میں بھی جو اُس زمانے میں قانون کی تعلیم حاصل کر رہا تھا، اُن کو وقت دیا کرتا تھا۔ مقامی وکلاء میں اللہ بخش عباسی صاحب تھے، کراچی کے ایک نہال صاحب تھے، یوسف حسین رضوی صاحب تھے۔

لیکن آخر میں جب یہ کیس سیشن کے سپرد ہو کر چلا، حتمی طور پر جیل وغیرہ کی جو سماعتیں تھیں، وہ ختم ہو گئیں، تو اُنھوں نے ایک جج مقرر کیا، جو پارسی تھا، مسٹر ڈی آر مینگ والا۔ سنّی کہتے تھے، جج شیعہ نہ ہو۔ شیعہ کہتے تھے کہ جج سنّی نہ ہو۔ اُس وقت کوئی ایسے دیگر آدمی کا وجود نہیں تھا لہٰذا ایک پارسی مجسٹریٹ تھے، اُن کو ابتدائی تفتیشی مقدمہ دیا گیا تھا اور جب یہ مقدمہ سیشن کے سپرد کیا گیا، تو ایس زیڈ احمد صاحب جو خیرپور سیشن جج تھے، اُن کے پاس یہ کیس چلا۔

ایس زیڈ احمد کے زمانے میں جن وکلاء نے اِس کی پیروی کی، اُن میں مرزا اسکندر بیگ، حیدرآباد سے تشریف لاتے تھے، جو سندھ کے سابق ایڈووکیٹ جنرل تھے اور حیدرآباد کے مشہور خاندان مرزا فیملی کے ایک فرد تھے۔ یہ کیس برسوں چلا، نیز اِس کیس میں بہت سے وکیلوں نے حصّہ لیا لیکن دو وکیل ایسے تھے (ظاہراً وکلاء کا ذریعۂ معاش یہی ہوتا ہے) جنھوں نے بالکل کوئی پیسہ اپنی قوم سے نہیں لیا، ایک مرزا

اسکندر صاحب دوسرے میرے والد علی مطاہر صاحب۔ ایک اور بات میرے والد کے جومنشی تھے، وہ اہلِ سنّت سے تعلق رکھتے تھے، شاہ محمد درانی (پٹھان تھے)۔ اُنھوں نے بھی منشانے کے طور پر پورے کیس کے درمیان ایک پیسہ بھی چارج نہیں کیا، اُن کے کہنے کے مطابق یہ انسانی جانوں کا مسئلہ تھا۔ تو یہ تھا اِس سانحے کا قانونی طور پر قصہ اور اِس سانحے کا پس منظر۔

س: ہمارے خیر پور کے ذمّے دار افراد مطمئن تھے اس کیس سے؟

ج: نہیں دیکھیے نا! جس قوم کا اتنا بڑا نقصان ہوگیا ہو، وہ کیسے مطمئن ہوں گے۔۔۔؟ ہمارے یہاں جو نظام چل رہا تھا، وہ یہ تھا کہ دونوں فریقین اپنا بچاؤ کر رہے تھے ہمارے وہ افراد جن پر جھوٹے مقدمے تھے، وہ بھی کیس ڈیل کر رہے تھے۔ اُن پر بھی قتل کا مقدمہ تھا، قتل ایک ہو، یا دس ہوں، قتل قتل ہے۔ آتش زدگی کے کیس بھی اُن پر تھے، جس میں عمر قید تک کی سزا ہو سکتی تھی۔ ایک دو آدمی اُن کی طرف سے زخمی تھے، وہ ان کے کھاتے میں ڈالے جا رہے تھے۔

تو ایک طرف سے وہ سارے بے گناہ لوگ اپنی جان بچانے میں لگے ہوئے تھے، جن کی پیروی اسکندر مرزا صاحب، اللہ بخش عباسی صاحب، علی مطاہر جعفری صاحب، نہال صاحب، یوسف رضوی صاحب کر رہے تھے، اِسی طرح ہماری طرف سے اِن کے بھی ایسے ہی ملزمان تھے۔ اُس طرف سے بھی ایسے ہی پیروی کی جا رہی تھی، سرکار تو دونوں کو سُن رہی تھی، جو ہمارے یہاں کا نظام ہے۔ اُس میں یہ ہے کہ فریادی کی طرف سے مستغیث کی طرف سے سرکار پیروی کرتی رہی ہے، تو اُس کے لیے دونوں طرف سے ڈی پی وی تھے۔ ایک جناب رُستم تھے، وہ دونوں کی پیروی کرتے تھے، جب شیعوں کے خلاف کیس چلتا تھا تو وہ ٹھیڑھی والوں کی طرف سے کیس چلاتے تھے اور جب ٹھیڑھی والوں کے خلاف کیس چلتا تھا تو وہ شیعوں کی طرف سے بولتے تھے اور یہ وکلاء کا پینل اپنے اپنے ملزمان کا بچاؤ کرتا رہا۔



س: آپ کا اس کیس میں کیا کردار رہا؟

ج: میں اُس زمانے میں پڑھ رہا تھا، تو میں وکلاء کی فقط اعانت کر سکتا تھا۔ میں باہر سے آنے والے وکلاء کے ساتھ معاون کا کردار ہی ادا کر رہا تھا۔ میں مسٹر ڈنکل فٹ اور مسٹر ایلن ڈیوس کے ساتھ یا مسٹر بٹ کے ساتھ روزانہ سینٹرل جیل سکھر میں جایا کرتا تھا، کبھی میری ڈیوٹی یہ لگا دیتے تھے، اِن حضرات کی فیملی کی دیکھ بھال، کسی کو کہیں لے جانا ہے، کسی کو کوئی ضرورت ہے، اُس کی مدد کرنی ہے۔

س: خیر پور کے اُس وقت کے رہنما کیا کر رہے تھے؟ پوسٹ مارٹم کیوں کرایا؟

ج: دیکھیں، اُس وقت سب لوگ ایک کشمکش کے عالم میں تھے۔ اجتماعی طور پر کوئی ایسی قیادت خیر پور میں نہیں تھی، چند فرقے دار افراد تھے اور چند ایسے لوگ تھے جن کا اثر و رسوخ تھا، لیکن حالت اتنی خراب ہو چکی تھی لوگوں نے گھروں سے نکلنا چھوڑ دیا تھا، خوف و ہراس کا عالم تھا۔ نہ صرف ہمارے معاشرے میں بلکہ دوسرے مذہب والے بھی پریشان تھے۔ حکومت نے کنٹرول کیا ہوا تھا، ڈاکٹروں کے کام جاری تھے، اُس وقت کوئی ایسی پوزیشن میں نہیں تھا کہ وہ اپنا وجود ثابت کر پاتا۔ پوسٹ مارٹم اِس لیے بھی ضروری تھا کہ کل اگر یہ ثابت کیا جائے کہ گولی چلی ہے تو اُسے کیسے ثابت کرتے، دلیل اور ثبوت ضروری تھا۔ جب تک کہ پوسٹ مارٹم رپورٹ نہیں ہوتی، کیسے معلوم ہوتا کہ ہاں گولی بھی چلی ہے۔

س: اِس کیس کے اخراجات کون برداشت کر رہا تھا؟

ج: ذاتی طور پر مجھے معلوم نہیں ہے، لیکن اتنا ضرور معلوم ہے، کوئی بڑی شخصیت تھی جو اپنا نام ظاہر کرنا نہیں چاہتی تھی۔

س: ٹھیڑھی میں ہر سال اب بھی مجلس اور جلوس کا سلسلہ جاری ہے؟

ج: جی ہاں۔ بحمد اللہ، ۱۹۶۳ء سے آج تک یہ سلسلہ جاری ہے۔ انتظامیہ اور میر خان محمد خان صاحب کے درمیان یہ طے پایا تھا کہ ہر سال سو (۱۰۰) افراد پر مشتمل

جلوس آپ نکال سکتے ہیں، تو قرارداد میں میر خاندان کے فرد کا وجود ضروری ہے۔ اس طرح اب بھی ہر سال انجمن حیدریؑ سے تعزیہ اور علَم جاتا ہے پولیس کی حفاظت میں اور وہاں مجالس و ماتم اور جلوس ہر سال پہلے سے بہتر انداز میں برآمد ہوتا ہے۔

س: شہداء کے ورثاء کے لیے کیا کِیا گیا؟

ج: شہداء کے ورثاء کے لیے حکومت کی طرف سے کچھ بھی نہیں ہوا، ہاں پورے پاکستان بھر سے لوگوں نے، مومنین نے تعاون کیا۔ بہت سے مذہبی اداروں نے بھی خیر اور معاونت کے کاموں میں حصہ لیا۔



مرجعِ تقلید حضرتِ آیۃ اللہ اعظمیٰ سیّد محسن الحکیم طباطبائی کی سرپرستی

بغداد

محترم جناب سجاد حیدر، سفیر پاکستان

لاہور اور خیر پور کے مومنین کا عاشورہ کے دن کا ناگوار احوال سن کر ہم بہت پریشان ہوئے ہیں، اُمید کرتا ہوں کہ اس دشمنی کے خلاف ہمارا شدید احتجاج اربابِ اختیار تک پہنچائیں گے، ہم یہ چاہتے ہیں حملہ آوروں کو لگام دی جائے۔

سید محسن طباطبائی حکیم

۲۷ محرّم ۱۳۸۳ھ/ ۲۰ جون ۱۹۶۳ء

سفیر پاکستان کا مذکورہ بالا ٹیلی گراف کا جواب:

شمار: ف ب ۱۱/ ۶۲ بغداد ۳ صفر ۱۳۸۳/ ۲۶ جون ۱۹۶۳ء

حضور محترم جناب سید محسن طباطبائی حکیم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کا ٹیلی گراف لاہور اور خیر پور میں عاشورہ کے دن کے ناگوار واقعات کے بارے میں ۲۰ جون ۱۹۶۳ء کو موصول ہوا، مذکورہ پیغام میں نے اپنی حکومت کو پہنچا دیا ہے، ساتھ ہی چاہتا ہوں کہ جو موضوع آپ کے لیے پریشانی کا باعث ہے، اس کے بارے میں آپ کو آگاہ کرتا چلوں کہ ان واقعات پر صدر پاکستان جناب محمد ایوب خان، بہت رنجیدہ ہوئے ہیں اور حکم جاری کیا ہے کہ یہ عمل دوہرایا نہ جائے۔

اور اُن کے حکم پر اس وقت لاہور اور خیر پور کے واقعات کی عدالتی تحقیقات

جاری ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ان حوادث میں ملوث مجرمین اپنے منطقی انجام کو پہنچیں گے اور اس طرح کے واقعات کی روک تھام کے لیے حفاظتی انتظامات سخت کیے جائیں گے۔

مہربانی فرما کر بہترین احترامات قبول فرمائیں۔ خدا آپ کی حفاظت کرے،
والسلام علیکم

مخلص

سجاد حیدر، سفیرِ پاکستان

حضرت آیۃ اللہ حکیم نے ایک ٹیلی گراف جناب نواب مظفر علی قزلباش کو ارسال کیا۔ (نواب صاحب پاکستان کی بڑی سیاسی شخصیت تھے۔ اور سیاست سے کنارہ کشی اختیار کیے ہوئے تھے لیکن پاکستانی عوام اور حکومت میں قابلِ احترام تھے) اور حالیہ دلخراش واقعات پر حکومتِ پاکستان سے شدید غم وغصے کا اظہار کیا۔

## نواب مظفر علی قزلباش

لاہور اور خیر پور کے مومنین کے عاشورے کے دن کا ناگوار احوال سن کر ہم بہت پریشان ہوئے ہیں، ہماری دُعائیں اِن مومنین تک پہنچائیں، اور حکومتِ پاکستان سے ہمارے شدید غم وغصّے کا اظہار کریں اور ہم چاہتے ہیں، حملہ آوروں کو لگام دی جائے۔

محسن طباطبائی الحکیم

۲۷ محرّم ۱۳۸۳ھ/ ۲۰ جون ۱۹۶۳ء



نواب مظفر علی قزلباش نے اس ٹیلی گراف کا جواب دیا:

حضور محترم السیّد الحکیم الطباطبائی، نجف

اِس سلسلے میں محبتوں بھرا خط بھیجنے پر آپ کا شکریہ، اُمید ہے حرمِ حضرت علیؑ میں دُعاؤں میں یاد رکھیں گے۔

مظفر علی قزلباش

سفیر پاکستان کا حضرت آیۃ اللہ حکیم کے خط کا جواب:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بغداد ۶ شعبان ۱۳۸۳ھ/ ۲۳ دسمبر ۱۹۶۳ء

حضور محترم جناب سیّد محسن طباطبائی حکیم ادامہ اللہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کا خط موصول ہوا، جو کچھ ہوا، میں نے آپ کو مطّلع کیا کہ ماہِ محرّم کے لاہور اور ٹھیڑھی کے دردناک واقعات پر حکومت پاکستان نے کیا اقدامات کیے ہیں، حکومتی اقدامات کے بارے میں جس نے بھی آپ کو خط میں بیان کیا ہے، اس میں کوئی صداقت نہیں ہے، اور جن تحقیقات کا حکم صدرِ پاکستان محمد ایوب خان نے دیا تھا، وہ مکمل ہونے کو ہیں۔ آپ کی خدمت میں پھر اس بات پر زور دوں گا کہ جس کسی کا جرم ثابت ہوا وہ بہت جلد اپنے کیے کی سزا پائے گا۔

آپ نے جو اخبار بھیجا ہے، اِس وقت اُسی کو دیکھ رہا ہوں۔ اِس میں جو خبریں اور تصویریں چھپی ہیں، ان سب کا مقصد حکومتِ پاکستان کو قصور وار ٹھہرانے کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔

آخر میں ہمارے بہترین احترامات قبول فرمائیں۔ والسلام علیکم

مخلص: سجاد حیدر

حضرت آیۃ اللہ حکیم نے ایک ٹیلی گراف محمد ایوب خان صدرِ پاکستان کو ارسال کیا، اس ٹیلی گراف میں انھوں نے اپنے غم واندوہ کے ساتھ حکومت کی جانب سے اس موضوع پر سُستی اور اس موضوع کو اس کے حق کے مطابق اہمیت نہ دینے کا ذکر کیا ہے۔ اس ٹیلی گراف کا متن یہ ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عاشورا کے دن کے ناگوار واقعات کی خبر ہم تک پہنچی، اور جن حالات کا شیعہ قوم نے سامنا کیا شہادت، رعب و وحشت اور جو کچھ ان کے ساتھ ہوا، اس کے بعد ان کو قید کرنا اور ان کی تذلیل کرنا، ان سب حالات نے ہمیں بہت پریشان کیا ہے۔ ہمیں یہ امید تھی کہ آپ کی حکومت ان کے نقصان کا ازالہ کرے گی لیکن حکومت نے بزرگوں اور شہداء کے وارثوں کو گرفتار کرلیا۔ ہم پھر بھی اُمید کرتے ہیں کہ ان کا حق انھیں واپس دیا جائے اور ان کے مادی ومعنوی خسارے کا ازالہ کیا جائے۔ اور رعایا پر عدل و انصاف کے احکام جاری کیے جائیں۔

محسن الطباطبائی الحکیم

۲ شعبان ۱۳۸۳ھ/ ۱۹ دسمبر ۱۹۶۳ء



**اس ٹیلی گراف کا جواب بغداد میں پاکستان کے سفیر جناب سجاد حیدر نے دیا:**

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شمار: سیا/۱۱/ ۶۲ بغداد ۴ رمضان المبارک ۱۳۸۳ھ/ ۱۹ جنوری ۱۹۶۴ء

حضور محترم جناب سیّد محسن طباطبائی حکیم ادامہ اللہ نجف اشرف

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

ماہ محرّم کے ٹھیڑھی اور لاہور کے ناگوار واقعات سے متعلق گزشتہ خط وکتابت کے ضمن میں عرض ہے کہ، میں نے اپنی حکومت کو مطلع کیا ہے اور آپ اور عراق کے دیگر علمائے کرام کی خدمت میں اس بات پر زور دیتے ہوئے کہتا ہوں کہ پاکستان کی حکومت کی سیاست یہ ہے کہ مذاہبِ اسلامی کے درمیان مساوات اور برابری قائم رہے۔ اور ہماری حکومت نہ صرف اسلامی مذاہب کی اہمیت کی قائل ہے بلکہ اقلیتی مذاہب کے لیے بھی اہمیت کی قائل ہے۔ لہٰذا حکومت اس بات کا اعادہ کرتی ہے کہ آئندہ ہرگز اس قسم کے واقعات رونما نہ ہوں۔

اُمید ہے یہ عرائض آپ کی خدمت میں قابلِ قبول واقع ہوں۔ والسلام علیکم

مخلص

سجاد حیدر

سفیرِ پاکستان-بغداد

پھر سفیر پاکستان نے ایک تفصیلی خط حضرت آیۃ اللہ حکیم کو بھیجا اور اس بات پر زور دیا کہ حضرت آیۃ اللہ حکیم کی خواہش کے مطابق اقدامات کیے گئے ہیں اور بتایا ہے کہ حکومتِ پاکستان نے شیعہ سنّی بھائی چارے اور امام حسینؑ کی عزاداری کے دستوں کی حفاظت کے اقدامات کیے ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۱۵رمضان ۱۳۸۳ھ/ ۳۰جنوری ۱۹۶۴ء

حضور محترم جناب سیّد محسن حکیم طباطبائی ادامہ اللہ      نجفِ اشرف

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ

خط،شمار: سیا/ ۱۲ / ۶۲ مورّخہ: ۴رمضان المبارک ۱۳۸۳ھ/ ۳۰ جنوری ۱۹۶۴ء کے تناظر میں ماہِ محرّم کے لاہور اور ٹھیڑھی کے ناگوار واقعات سے متعلق میری حکومت نے مجھے پیغام بھیجا ہے کہ آپ کو مطلع کروں کہ:

نتیجہ خیز تحقیقات میں ہم نے ان واقعات کی وجوہات کی تحقیق کی تو بالکل روشن اور واضح ہے کہ یہ واقعات ماضی کے کسی تنازعے کا تسلسل نہیں ہیں، اور نہ ہی کسی گروہ یا مذہبی جماعت نے پہلے سے منصوبہ بندی کر رکھی تھی، یہ واقعات شخصی خصومت اور نزاع کا نتیجہ تھے۔

جو حفاظتی انتظامات پولیس کی جانب سے کیے گئے، وہ تمام محتاط انداز سے عزاداری کے دستوں کے راستے میں بلند عمارتوں پر پولیس نگرانی کے لیے تعینات کرنا، اور تصادم کے مقامات کا محاصرہ کرتے ہوئے، اپنا تسلّط برقرار رکھنا تھے۔

تحقیقی انچارج کا کہنا ہے کہ شیعہ اور سنّی کے درمیان صلح کرانے کے لیے ایک گروہ تشکیل دیا جائے، جو دستے حکومتی نظام اور قانون کو اپنے ہاتھ میں لیتے ہیں، ان کے پرمٹ کینسل کیے جائیں اور ان کی سفارش ہے کہ بزرگوں کی بے احترامی نہ کی جائے اور ماہِ محرّم میں اسلحہ ساتھ رکھنے پر پابندی عائد کی جائے۔

اور آپ نے یہ فرمایا تھا کہ حکومت کی جانب سے حفاظتی اقدامات کیے جائیں تا کہ آئندہ ایسے ناخوشگوار واقعات پیش نہ آئیں۔

والسلام علیکم و حفظکم اللہ

مخلص: سجاد حیدر



اگلے سال (محرّم میں) سفیرِ پاکستان نے آیت اللہ کو خط لکھا اور مطّلع کیا کہ عزاداری کے دستے اور مراسم سکون و اطمینان کے ساتھ برپا ہوئے اور کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہیں آیا:

۶/ ۶/ ۱۹۶۴ء

حضور محترم آیۃ اللہ امام الاکبر جناب سیّد محسن حکیم ادامہ اللہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ

انتہائی مسرّت کے ساتھ آپ کی خدمت میں اطلاعاً عرض ہے کہ پاکستان میں عاشورا کے دن مجالسِ عزاداریِ امام حسینؑ بہترین انداز میں انجام پائیں۔ سب سے اہم یہ کہ ہر جگہ سکون غالب تھا، اور ایسا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا کہ جس سے مجالسِ عزاداری کا نظم و ضبط خراب ہو۔

خدا کی بارگاہ میں دُعا ہے دنیا کے تمام مسلمانوں کے درمیان محبت و برادری قائم رہے اور ان میں وحدت کلمۂ اسلام کی شان بڑھاتی رہے۔ آمین۔

والسلام علیکم و حفظکم اللہ

سجاد حیدر

## ادارہ گنج شہیداں ٹرسٹ لقمان خیر پور (رجسٹرڈ)
## عہدیداران کے اِسمائے گرامی

| | | |
|---|---|---|
| (۱) | سرپرست اعلیٰ: | سیّد اکبر عباس زیدی |
| (۲) | صدر: | سیّد محبوب مصطفی شاہ |
| (۳) | چیرمین: | سیّد اسد علی شاہ |
| (۴) | وائس چیرمین: | سیّد ہادی حسن زیدی |
| (۵) | سینئر نائب صدر: | سیّد انصار حسین شاہ |
| (۶) | نائب صدر: | سیّد حیدر علی شاہ |
| (۷) | جنرل سکریٹری: | حکیم مہدی حسن |
| (۸) | جوائنٹ سکریٹری: | سیّد عادل حسنین زیدی |
| (۹) | خزانچی: | سیّد محمد رضا شاہ |
| (۱۰) | آفس سکریٹری: | سیّد اظہار حسین |
| (۱۱) | پریس سکریٹری: | سیّد سہیل افضال |
| (۱۲) | پروپیگنڈا سکریٹری: | سیّد ندیم عباس |



## گنج شہیداں محلہ لقمان، خیر پور میں مدفون شہداء کے اسمائے گرامی

| نمبر شمار | نام | ولدیت | عمر |
|---|---|---|---|
| 1 | احسان رضا | شرافت حسین | 18سال |
| 2 | شمیم حیدر | وزیر حسین | 27سال |
| 3 | شاہد حسین | مسلم حسین | 18سال |
| 4 | مُحب حسن | ابن حسن | 28سال |
| 5 | محمد حسین | محمد رضا | 35سال |
| 6 | عزادار حسین | آفتاب علی | 38سال |
| 7 | امیر حیدر | غلام محمد | 18سال |
| 8 | محمد قاسم | محمد ہاشم | 18سال |
| 9 | محمد میاں | آل حسن | 18سال |
| 10 | محمد جعفر | قاسم حسین | 18سال |
| 11 | محمد باقر | قاسم حسین | 20سال |
| 12 | علی حیدر | دبیر حسین | 15سال |
| 13 | بشیر حسین | فدا حسین | 50سال |
| 14 | عزیز اللہ دایہ | قادر بخش دایہ | 25سال |
| 15 | ریاض الحسن | فیض الحسن | 32سال |
| 16 | منتظر حسین | نظیر حسین | 14سال |
| 17 | ریاض حسین | لیاقت حسین | 18سال |
| 18 | عقیل محمد | ابن حسن | 24سال |
| 19 | محمد دبیر | محمد سعید | 30سال |

| 20 | امیر ہاشم عابدی | سید اشفاق حسین | 21سال |
|---|---|---|---|
| 21 | یوسف اختر | نیاز حسین | 18سال |
| 22 | علی حسن زیدی | حسن علی | 18سال |
| 23 | شفقت حسین | محمد عابدی | 21سال |
| 24 | وزیر حسن | ضمیر حسین | 15سال |
| 25 | محمد حسین | حامد حسین | 16سال |
| 26 | محمد ظاہر حسین | محمد امیر | 18سال |
| 27 | محمد جمیل | محمد امیر | 20سال |
| 28 | اطہر حسین | ابرار حسین | 18سال |
| 29 | بشیر حسین | بندے حسن | 32سال |
| 30 | مظفر حسین | تسنیم حسین | 18سال |
| 31 | اختر حسین | منتظر حسین | 24سال |
| 32 | گمنام 4 قبور | | |

روز عاشور ٹھیڑی میں شہادت پانے والے شہدا کے علاوہ گنج شہیداں کے احاطے میں مندرجہ ذیل افراد کی قبور بھی ہیں۔

(1) مولانا صفدر حسین بلتستانی (پیش امام جامع مسجد محلہ لقمان خیر پور) مولانا صفدر حسین نے ہی مشورہ دیا تھا کہ محلہ لقمان کے تمام شہدا کی تدفین ایک مقام پر کی جائیں۔

(2) نسیم حیدر شہید ولد محمد امیر حسین (3) ذیشان حیدر شہید ولد مشتاق حسین

(4) مختار لاشاری ولد آثر لاشاری (5) عمران حیدر شہید۔

# سانحہ ٹھیڑی کے وقت علماء کے خطوط



جواد حسین صدر الافاضل واعظ مدرسۃ الواعظین لکھنؤ
قاضی شریعت کورم خطیب سرحد نائب صدر مجلس علماء شیعہ (پاکستان)

ہنگو۔ ضلع کوہاٹ (مغربی پاکستان)
تاریخ ۲۳-۲-۶۶

۲ ۱۱/۸۵ ۶ یوم چہارشنبہ

مکرمی جناب سید حیدر شاہ صاحب دام مجدکم

بعد تحیہ سلام مسنون آنکہ ہدیہ تبریک ساتھ بعد خیریت مزاج گرامی کا طالب ہوں ۔
دفعتاً سرحدی جانب گنج شہداء القاء معمول ہو کر باعث تشکر ہوا ۔ ان شاء اللہ اگر کوئی
مانع عین وقت پر نہ ہوا تو خود حاضر ہوں گا ۔ چونکہ بقرعید پر جب ہنگو پہنچنا ہے اس لئے
آپ سے گزارش ہے کہ ۲ کو یقیناً میں واپس ہو جاؤں گا ۔ لہٰذا ۷ کو آپ میری مجلس رکھیں
یا پہلے رکھیں ۔ نیز سفر خرچ پہلے سے بھیج دیں ۔ جناب مولانا تصدیق حسین صاحب
کی خدمت میں ہدیہ سلام مسنون کے بعد ادنیٰ خدمت میں یاد آوری کا شکریہ ادا کریں

فقط والسلام

الاحقر جواد حسین لقلم

باسمہ سبحانہ

**مولانا سید خادم حسین بخاری مبلغ شیعہ**

حافظ آباد ـــــ ضلع گوجرانوالہ

تاریخ 12/2/69 ...... نمبر ..............

محبی و مولائی محترم صدر صاحب دام ظلکم العالی

سلام مسنون۔ مزاج شریف؟

آپ کے خطوط اور اشتہار ملے۔ میں جواباً ارشاد کرتا ہوں کہ مجھے آپ کو مطلع مکتوب شائد کیا ہوا ہے۔ کہ آپ کے رسالہ کے بعد نہ تو خط کا کوئی جواب دیا۔ اور نہ ہی کوئی رسالہ ارسال فرمایا۔ ممکن ہے مبادہ خط آپ تک نہ پہنچ سکا ہو۔ لہذا دوبارہ عریضہ لکھ کر محض اسی لئے جسارت کر رہا ہوں۔ تاکہ آپ فوراً جواب سے سرفراز فرمائیں۔

عرض خدمت ہے۔ ان شاء اللہ العزیز بمقررہ تاریخ یعنی 22 فروری سے کانفرنس کے لئے حاضر ہو جاؤں گا۔ کرایہ وغیرہ ارسال فرمائیں اگر 17/2 تک آپ کوئی جواب نہ دیا۔ تو میں عدم شرکت پر معذرت خواہ ہوں گا۔

والسلام

نیازکیش :- الخادم حسین بخاری سید

12.2.68



باسمہ تعالیٰ

**سید محمد حسن زیدی**

(ممتاز الافاضل)

مؤسس و مہتمم ادارۂ نظام الشریعہ

وکیل مجتہد اعظم عراق

مدیر مدرسہ مشارع العلوم

مسجد ابوالفضل۔ قدم گاہ۔ اسٹیشن روڈ

حیدرآباد (مغربی پاکستان)

فون نمبر ۲۳۶۹

حوالہ نمبر .................. مورخہ .................. سنہ ۱۹ء

دام مجدکم العالی

تحیہ سلام مسنون۔ آپ کا مکتوب گرامی ملا۔ میری دلی تمنا تھی کہ میں ان جانثاران امام مظلوم کے ساتھ ہر اتر کر انکی ارواح طیبہ کو ایصال ثواب کرتا اور انکی یاد میں جو سالانہ مجالس ہو رہی ہیں انمیں شریک ہوں مگر مدرسہ مشارع العلوم کی ذمہ داری کی جو بیڑیاں میرے پیروں میں پڑی ہیں انہوں نے مجھے باہر آنے جانے سے بالکل معذور کر دیا ہے اس لئے میں اپنے آنیکا حتمی وعدہ تو نہیں کرتا البتہ کوشش ضرور کرونگا کہ میں ایک دن کے لئے حاضر ہو سکوں۔ خداوند عالم آپ کی مساعی جمیلہ میں برکت عطا فرمائے اور ان ناموران عصبیت کے مدارج کو اور بلند کرے اور جوار امام مظلوم میں انکو جگہ عنایت فرمائے فقط والسلام

محمد حسن زیدی

۱۷ مارچ ۶۲ء

Phone : 63252

Hakim Nayyar Wasti, S.K.

o/s MASTI GATE, LAHORE

فون:- ۶۳۲۵۲

حکیم نیّر واسطی (ستارۂ خدمت)

بیرونِ مستی گیٹ لاہور

مورخہ ۱۰-۱-۶۷ء

مکرمی!

السلام مسنون۔ عنایت نامہ جید یاد آوری کا شکریہ۔

مجھے افسوس ہے کہ میں 26 فروری کو آپکے ہاں ہو گی

میں شرکت نہ کر سکوں گا کیونکہ ان دنوں میں غالباً ملک سے باہر ہوں

تمام احباب کی خدمت میں سلام مسنون عرض کر دیجئے

فقط والسلام

نیر واسطی

(پرنسپل حکیم نیر واسطی ستارۂ [illegible])

بخدمت شریف جناب حیدر شاہ صاحب

مکان نمبر 278 مارکیٹ لقمان

خیرپور میرس۔



محمد بشیر انصاری

صدر مجلسِ علمائے پاکستان

مؤسس آل پاکستان شیعہ کانفرنس لاہور و مدرسۃ الواعظین، کراچی

ٹیکسلا مغربی پاکستان

تاریخ ۱۰ جنوری ۱۹۶۹

جناب محترم شاہ صاحب

سلام علیکم۔ صحیفہ گرامی پیش نگاہ ہے

میں قبل ازیں کبیر والا اور

ساہیوال میں اسی تاریخ کا وعدہ

شب جمعہ دو کر چکا ہوں (والسلام)

اسلئے معذرت خواہ ہوں

محمد بشیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

احمد حسین نوری
[illegible]

تاریخ 13 فروری 1969

محترمی!

السلام علیکم! مزاج گرامی۔ آپ کا دعوت نامہ موصول ہوا میں انشاءاللہ قبل از وقت حاضر ہونے کی کوشش کروں گا آپکی تاریخ ڈائری پر درج کر دی گئی ہے۔ خیرپور پہنچنے کے وقت سے متعلق اگر مناسب ہوا تو ایک روز پہلے بذریعہ تار اطلاع کر دی جائیگی آپ مطمئن رہیں تمام ارکانِ ادارہ کو خصوصاً اور مومنین کرام کو عموماً ہماری جانب سے سلام پہنچا دیں خدا تعالیٰ آپ حضرات کی توفیق میں اضافہ فرمائے۔

والسلام

گنہگار احمد حسین نوری کیلی



Phone. 2173

*Mirza Askari Hussain*
M. A. (Pol Sc;) B. T. Fazil Adab

Lecturer,
MOHD: MOOSA ARTS COLLEGE,
LARKANA.

Dated 10th Jan, 1969

محترمی السلام علیکم

آپکا خط ملا یاد آوری کا شکریہ۔ میرا خیال ہے کہ ۲۳ فروری مورخہ ۵ ذوالحجہ کو اتوار ہے لہٰذا آپ اسی دن میری تقریر کا انتظام کر دیں اور مجھے پیشگی اطلاع کر دیں۔ ~~اطلاع~~ اطلاعاً عرض ہے کہ میرا نام مرزا عسکری بیگ نہیں بلکہ مرزا عسکری حسین ہے آئندہ کے لیے تصحیح فرمالیں

بقیہ سب خیریت ہے۔

مخلص
عسکری حسین

سرپرستِ اعلیٰ ادارۂ گنج شہیداں جناب اکبر عباس زیدی، جناب علامہ نادر تقوی کو کتاب کاروانِ عشق پیش کررہے ہیں

## شہداءِ ٹھیڑی خیرپور
## مدفون گنج شہیداں محلہ لقمان کی
## بدن گریدہ اور جلائی ہوئی لاشوں کی تصاویر

بہ شکریہ شہید فاؤنڈیشن

ماں بہنیں اور لخت جگر کی لاش

ضعیف باپ جوان بیٹے کے لاشے پر



## یادداشت